جلد : 13 | وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القران) | شعبان :1440ھ
شمارہ : 04 | اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے (پ سورۃ القمر) | اپریل : 2019ء

ISSN : 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت
- ڈاکٹر محمد سعد صدیقی
- حافظ مختار احمد گوندل
- پروفیسر خلیل الرحمٰن
- محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون و نگران طباعت : مفتی عطاء الرحمٰن
تزئین و گرافکس : ثاقب نذر
قانونی مشاورت : محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اثیر ایڈووکیٹ

اہل ثروت حضرات سے تاحیات زرِتعاون بیس ہزار روپے یکمشت	سالانہ زرتعاون بشمول خصوصی اشاعت اندورنِ ملک 800روپے	معمول کا شمارہ 50روپے

ترسیل زر بنام : انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ

قرآن اکیڈمی جھنگ
لالہ زار کالونی نمبر2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر
پاکستان پوسٹ کوڈ 35200
047-7630861-7630863

Web site:
www.hikmatbaalgha.com
www.hamditabligh.net
Email: hikmatbaalgha@yahoo.com

پبلشر : انجینئر مختار فاروقی
طابع : محمد فیاض، مطبع : سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَ ھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا(ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ میراث ہوتی ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا حقدار ہے

مشمولات

قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	1		3
بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات	2		5
حرفِ آرزو	3	انجینئر مختار فاروقی	6
یورپ کی ایک ہزار سالہ تاریخ کی پہلی پسپائی	4	اوریا مقبول جان	11
افغانستان، پاکستان اور تاریخ کا ایکشن ری پلے!	5	ڈاکٹر عاصم اللہ بخش	22
حکمتِ اقبال پر ایک عمومی نظر (4)	6	ڈاکٹر محمد رفیع الدین	26
چینی سنکیانگ جو کبھی اسلامی مشرقی ترکستان.....	7	رضی الدین سیّد	35
احتیاط! کوئی دیکھ نہ لے، کوئی سن نہ لے!!	8	عبدالرشید ارشد	44
ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے نیا استعماری.....	9	محمد انیس الرحمٰن	46
مختصر سوانح حیات شاعر مشرق علامہ محمد اقبال	10	محمد منظور انور	53
خصوصی اشاعت پر اہل علم کے تاثرات	11		60

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 10 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں 10 تاریخ کے بعد رسالہ ارسال نہیں کیا جائے گا (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

(02) سورۃ البقرۃ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(آیات 40-46)

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ

اے آلِ یعقوب! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیے تھے

وَ اَوْفُوْا بِعَھْدِیْٓ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ

اور اس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا

میں (بھی) اس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا

وَ اِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ ﴿۴۰﴾

اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو

وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ

اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے (اپنے رسول محمد ﷺ پر)

نازل کی ہے جو تمہاری کتاب (تورات) کو سچا کہتی ہے

وَ لَا تَکُوْنُوْٓا اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ

اور اس (قرآن) کے منکر اوّل نہ بنو

وَ لَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا

اور میری آیتوں (میں تحریف کر کے ان) کے بدلے

تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) نہ حاصل کرو

وَّ اِیَّایَ فَاتَّقُوۡنِ ﴿۴۱﴾

اور مجھ ہی سے خوف رکھو

وَ لَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَ تَکۡتُمُوا الۡحَقَّ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۲﴾

اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور حق کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ

وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ ﴿۴۳﴾

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (اللہ کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو

اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَ تَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ

کیا (یہ عقل کی بات ہے کہ) تم دوسروں کو نیکی کرنے کو کہتے اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو

وَ اَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡکِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴۴﴾

حالانکہ تم کتاب (تورات) بھی پڑھتے ہو۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

وَاسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوۃِ

اور (رنج و تکلیف میں) صبر اور نماز سے مدد لیا کرو

وَ اِنَّہَا لَکَبِیۡرَۃٌ اِلَّا عَلَی الۡخٰشِعِیۡنَ ﴿۴۵﴾

اور بے شک نماز گراں ہے سوائے ان لوگوں کے جو خشوع کرنے والے ہیں

الَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّہِمۡ وَ اَنَّہُمۡ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۴۶﴾

جو یقین کیے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں

اور یقیناً وہ اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں

صَدَقَ اللّٰہُ العَظِیۡم

قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم

بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں چند لمحات

خَمْسٌ بِخَمْسٍ: مَا نَقَضَ قَوْمٌ الْعَهْدَ اِلَّا سُلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوُّهُمْ، وَمَا حَكَمُوا بِغَيْرِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَّا فَشَا فِيْهِمُ الْفَقْرُ، وَلَا ظَهَرَتْ فِيْهِمُ الْفَاحِشَةُ اِلَّا فَشَا فِيهِمُ الْمَوْتُ، وَ لَا طَفَّفُوا الْمِكْيَالَ اِلَّا مُنِعُوا النَّبَاتَ وَأُخِذُوا بِالسِّنِيْنَ، وَلَا مَنَعُوا الزَّكَاةَ اِلَّا حُبِسَ عَنْهُمُ الْقَطْرُ (طبرانی، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

پانچ کاموں کا بدلہ پانچ کام ہیں: (۱) جو قوم عہد کو توڑتی ہے اس پر دشمن مسلّط کر دیا جاتا ہے اور (۲) جو لوگ اُس سے ہٹ کر فیصلہ کرتے ہیں جو اللہ نے نازل کیا ہے، ان میں فقر و محتاجی پھیل جاتی ہے اور (۳) جن لوگوں میں بے حیائی زیادہ ہو جائے ان میں اموات زیادہ ہو جاتی ہیں اور (۴) جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں وہ پیداوار سے محروم کر دیے جاتے ہیں اور قحط میں جکڑ لیے جاتے ہیں اور (۵) جو لوگ زکوٰۃ کو روک لیتے ہیں ان پر بارانِ رحمت روک دی جاتی ہے۔

الجَامِعُ الصَّغِیْر فی احادیث البشیر والنذیر، للامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ

زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل اُو در آرزو پوشیدہ است
علامہ اقبال

مصطفیٰ ﷺ نایاب و ارزاں بولہب

انجینئر مختار فاروقی

1۔ دنیا میں ہر چہار طرف ایک غیر علانیہ جنگ جاری ہے جو مارکیٹوں، بازاروں، ٹی وی شوز، شہروں، میدانوں، پہاڑوں اور فضاؤں میں دن کے 24 گھنٹے اور ہفتے کے ساتوں دن لڑی جارہی ہے۔ اس جنگ میں ایک طرف تین درجن ممالک کا گٹھ جوڑ ہے اور دوسری طرف کوئی پانچ درجن ممالک ہیں۔ تین درجن ممالک کے پاس دنیاوی وسائل کا بیشتر حصّہ ہے۔ ان ممالک کی آبادی دنیا کا 20% ہے اور وسائل تقریباً 80% ہیں۔ یہ ممالک ترقی یافتہ ممالک ہیں اور اسلحہ اور ٹیکنالوجی سے لیس ہیں جبکہ دوسری طرف پس ماندہ اور ترقی پذیر ممالک ہیں۔

2۔ کچھ ممالک (تقریباً سات درجن) بظاہر جنگ کے دونوں فریقوں میں شامل نہیں ہیں لیکن وہ مظلوم ممالک کی مدد نہیں کر رہے اور ظالموں کا ہاتھ نہیں روک رہے، لہٰذا جنگ کا کمزور فریق یہ سمجھنے میں حق بجانب ہے کہ ان ممالک کی دلی ہمدردیاں، دعائیں، خواہشات، اُمّیدیں اور اُمنگیں اسی بالا دست اور ظالم گروہ کے ساتھ ہیں۔

3۔ یہ جنگ گذشتہ سات صدیوں سے جاری ہے اور اس میں کئی ممالک لڑلڑ کر کمزور ہو چکے ہیں۔ کئی نئے ممالک وجود میں آچکے ہیں کئی ممالک نیست و نابود ہو چکے ہیں۔ سات صدیوں کی اس جنگ میں اب یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ اس جنگ میں مظلوم ممالک یا علاقے کون سے ہیں۔ ان کے پاس بظاہر وسائل رزق نہیں ہیں۔ مخلص قیادت نہیں ہے۔ ان ممالک کے عوام اپنے ہی

ممالک کی اشرافیہ (RULING CLASS) سے نالاں اور دُکھی ہے۔

4۔ اس جنگ کا المیہ یہ ہے کہ اس جنگ میں مظلوم ممالک کے مقتدر طبقات اگرچہ سب کے سب بظاہر اپنے قوم کے نمائندے اور قوم کے محسن و خیر خواہ نظر آتے ہیں مگر درحقیقت وہ مقتدر طبقات بلا استثناء (99%) دشمن کے ہاتھ بک چکے ہیں ان دشمن ممالک کے ساتھ ان کا گٹھ جوڑ ہے۔ ان ممالک میں ان کے وسائل جمع ہیں۔ ان کے بینکوں میں رقوم جمع ہیں۔ وہاں ان کی جائیدادیں ہیں۔ ان کی اولادیں وہاں زیر تعلیم ہیں ان ممالک میں ان کے کاروبار ہیں۔ لہٰذا ان ممالک کی اشرافیہ اور حکمران طبقہ کی وفاداریاں اپنے ملک اور عوام سے برائے نام ہیں۔ جبکہ ان دشمن ممالک اور ان کے حکمرانوں سے ان کا مستقبل وابستہ ہے۔

5۔ یہ جنگ غیر محسوس انداز میں لڑی جارہی ہے اور مظلوم ممالک کے خواص و عوام کی اکثریت کو اس جنگ کا احساس بھی نہیں۔ 5 درجن مظلوم ممالک کی اشرافیہ، حکمران، مقتدر طبقات اور ارب پتی تاجروں نے اپنے ملک کے ٹیکس اور فوجداری قوانین کی گرفت سے بچنے کے لیے دشمن ممالک کی شہریت (CITIZENSHIP) لے رکھی ہے اور دوہرے پاسپورٹ بنا رکھے ہیں۔

6۔ 3 درجن ظالم ممالک کے حکمرانوں نے 5 درجن مظلوم ممالک کو بظاہر دوست بنا رکھا ہے مختلف فنی معاملات میں حکومتوں کے مشیر ہیں۔ کئی عالمی تنظیموں کے ذریعے مظلوم ممالک کو بڑے بڑے قرضے دے رکھے ہیں۔ حکومتی سطح کے یہ دشمن ملک کے مشیر مشورے دے کر MEGA PROJECTS کی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ پھر اس کے لیے عالمی بینکوں سے قرضے دلواتے ہیں۔ پھر ان منصوبوں اور دیگر ملکی سطح کی MEGA PURCHASES میں گھپلے ہوتے ہیں۔ منہ مانگے داموں پر مظلوم ممالک کے حکمرانوں کے نمائندے یہ چیزیں خریدتے ہیں پھر ان کو غیر قانونی طور پر بین الاقوامی کرنسی میں KICKBACKS ملتی ہیں جو مظلوم ممالک کے حکمرانوں سے سوئیزر لینڈ بینک وغیرہ میں ان کے پوشیدہ اکاؤنٹس میں جمع کرادی جاتی ہیں جس کا وہ حکمران طبقہ سود کھاتا رہتا ہے۔ یہ طبقے اپنے ممالک میں دوہری شہریّت رکھ کر اپنے غیر ملکی مفادات کو تحفّظ دیتے ہیں۔

7۔ 3 درجن ظالم ممالک نے دنیا کو بینکوں کے ذریعے عالمی لین دین کے لیے سودی نظام

تشکیل دے رکھا ہے ایک بین الاقوامی کرنسی پر اتفاق رائے کر رکھا ہے جس سے مظلوم ومحکوم ومجبور ممالک کا فاضل سرمایہ ان عالمی سودخور ممالک میں مسلسل DRAIN ہو رہا ہے جس سے 3 درجن ظالم ممالک امیر سے امیر تک اور 5 درجن مظلوم ممالک غریب سے غریب تر ہو رہے ہیں۔

8۔ (i) ان 3 درجن مقتدر عالمی مغربی ممالک نے اس جنگ کا ایک محاذ تعلیم کے شعبے میں کھولا ہوا ہے اور اپنے ممالک کی یونیورسٹیوں میں طلباء کو وظائف دے کر بلاتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم اور فنّی تعلیم کے نام پر دو صدیوں سے ان مظلوم ومحکوم ممالک کے نوجوانوں کو اپنے نظریات، خیالات، مذہب اور روایات سے برگشتہ کر کے مغربی سیکولر لبرل ذہن دے کر واپس ان ممالک میں پالیسی ساز عہدوں پر تعیّنات کراتے ہیں جس سے آئندہ ان ممالک کی پالیسیاں ان کے ہاتھ میں آجاتی ہیں۔ اس طرح یہ مظلوم ومحکوم ممالک کے عوام مزید کمزور ہو رہے ہیں۔

(ii) ان 3 درجن مقتدر عالمی مغربی ممالک کا دوسرا محاذ محکوم ممالک میں شعبۂ تعلیم میں طبقاتی تقسیم ہے اشرافیہ کے لیے الگ نظام تعلیم ہے مڈل کلاس کے لیے الگ نظامِ تعلیم ہے۔ عوام کے لیے صوبائی حکومتوں کے تحت نظام تعلیم ہے جس کا معیار نہایت پست ہے۔ جس سے فارغ التحصیل طلبا از خود سیاسی رہنما، مرکزی وصوبائی بیوروکریسی اور سرکاری محکمانہ کلرک (CLERICAL STAFF) پیدا ہو رہے ہیں۔ اس پر مستزاد جو لوگ نجی شعبہ سے متعلق ہیں وہ پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں بہت مہنگی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور غیر ممالک سے 'جعلی' ڈگری لے کر واپسی پر اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے ہیں اور کرپشن کے لیے راستہ ہموار کرتے ہیں خود بھی کھاتے ہیں اور سیاسی قیادت کو بھی کھلاتے ہیں۔

(iii) تعلیمی شعبہ میں جنگ کا تیسرا محاذ نصاب میں مقتدر ممالک کے سیکولر اور لبرل مزاج کے حامل نظام کو رائج کرنا اور محکوم ممالک کے نظریات کو ختم کرنا ہے۔ کئی صدیوں کی اس جنگ کے آخری مراحل میں محکوم اقوام کا نظامِ تعلیم لپیٹ کر مغربی سیکولر لبرل خدا بیزار نظام رائج ونافذ ہے۔

9۔ مغربی مقتدر ممالک کی جنگ کا ایک محاذ میڈیا ہے اس میں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا آتا ہے۔ اس شعبہ میں مغرب نے اپنے پسندیدہ لوگ بھاری معاوضوں پر خرید رکھے ہیں

غیر ملکوں سے علی الاعلان امداد آتی ہے وہ ہر ملک محکوم کے معاملات، نظریات، سرکاری و غیر سرکاری معاملات، مذہب، روایات، عبادات میں مداخلت کر کے تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور اس سے عوام کو متنفر کرتے ہیں اور اس کی جگہ مغربی ثقافت و کلچر عام کرنے اور WOMENLIB کے نام سے کئی لچر پروگرام در پردہ شروع کر رکھے ہیں۔ ہر ملک میں مردوں اور عورتوں کو آزادی کے نام پر آپس میں الجھا رکھا ہے۔ اس میدان میں انہوں نے کئی خوف ناک اور خطرناک تنظیمیں پال رکھی ہیں جو وقت آنے پر منظر عام پر لائی جاتی ہیں۔ FEMEN کے نام سے ایک ایسی تحریک نے کئی ممالک میں تہلکہ مچا رکھا ہے۔

10۔ مغربی مقتدر ممالک میں عیسائی دنیا کے ممالک سب سے آگے ہیں۔ ان کا سرپرست اسرائیل ہے اور بت پرست ممالک بھی ان کے ہم خیال ہیں جبکہ محکوم، مظلوم، مجبور اور مقہور ممالک میں مسلمانوں کے 60 ممالک ہیں۔ ان ممالک کی اشرافیہ وسائل پر قابض ہے اور مغرب کی پروردہ ہے اور مغربی ممالک ہی کی نمک خوار ہے جبکہ عوامی سطح پر خال خال کچھ لوگ دین کے داعی ہیں اور عوام میں اسلام کا ہلکا سا رنگ باقی ہے۔

11۔ اس جنگ کو مغرب نے آخری صلیبی جنگ کا نام دیا ہے اور دھوکے سے دوست بن کر ابلیس کے خدا بیزار، خدا دشمن، انسان دشمن اور اخلاق دشمن رویّوں کو ہوا دے رہا ہے۔ اس جنگ میں UNO کا خاص کردار ہے وہ اس گروہ کے سربراہ اسرائیل اور صہیونی عالمی مافیا کا آلہ کار ہے ڈالر اس کی کرنسی ہے۔ اس پر اس جمہوری دور کے عروج کی صدی میں پانچ ممالک (جن کی رگِ جان پنجۂ یہود میں ہے) کو VETO پاور دے رکھی ہے اور یوں عالم اسلام کا گلا دبوچا ہوا ہے۔ دنیا بھر میں صرف مسلمان ممالک میں قتل عام جاری ہے، دھماکے، دہشت گردی، تباہی، مہاجرت اور مسکینی کا عالم ہے۔ برما ہو، عراق ہو، شام ہو، چیچنیا ہو، افغانستان ہو، نیوزی لینڈ ہو، بھارت ہو، کشمیر ہو، سوڈان ہو یا دیگر افریقی ممالک ہوں ہر جگہ مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے اور مغرب نے مسجدوں میں (دورانِ عبادت) مسلمانوں کے لیے مقتل بنا دیے ہیں مغرب کی سوچی سمجھی پالیسی CARROT & STICK کی ہے۔ ایک عالمی شخصیت دلاسا دیتی ہے اور دوسری عالمی شخصیت دہشت گردی کی مذمت بھی نہیں کرتی ہے۔ سچ ہے کہ ع مصطفےٰ ﷺ نایاب وارزاں بولہب

مسلمان عوام کے لیے آفرین ہے کہ وہ کسی خضر راہ یا مردے از غیب کے منتظر اپنی اُمیدوں، اُمنگوں، آرزوؤں اور چکنا چور خوابوں کو آنسوؤں سے دھو کر دامن میں سجائے بیٹھے ہیں۔ شاید کوئی مسیحا ان کے لیے بھی آجائے۔ فیض کا یہ شعر تو مایوسی کے عالم کا ہے

؎ تم ناحق شیشے چن چن کر دامن میں سجائے بیٹھے ہو
شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں کیا آس لگائے بیٹھے ہو

مگر فارسی کا یہ شعر امید افزا ہے

؎ بہ لبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازاں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

12۔ یہ غیر علانیہ جنگ مغرب عالم اسلام کے خلاف دوست بن کر جاری رکھے ہوئے ہے۔ بجوائے الفاظ یہ انداز ابلیسی انداز ہے کہ کسی کا دوست بن کر اس کو بے دست و پا کر دیا جائے۔ قرآن مجید میں وارد ہے

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ (100:16)

''اس (شیطان) کا زور انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو رفیق بناتے ہیں اور اس کے (وسوسے کے) سبب (اللہ کے ساتھ) شریک بنا لیتے ہیں''۔

ابلیس انسان کا ناصح اور مشیر بن کر ہی گمراہ کرتا ہے ابلیس کے ہتھکنڈوں سے بچنا ہے تو اس کو دشمن سمجھو اور دشمنی پالو۔ مغربی ممالک کے ابلیسی ہتھکنڈوں سے بچنے کے لیے ان سے الگ ہونا شرطِ اوّل ہے۔ اے کاش عالم اسلام کے 60 سے زیادہ ممالک کی سمجھ میں یہ نکتہ آجائے۔ اس میں اُمّت مسلمہ کا مفاد ہے اور شاندار مستقبل بھی اسی سے وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اس کٹھن راستے پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین

یورپ کی ایک ہزار سالہ تاریخ کی پہلی پسپائی

اوریا مقبول جان

(روزنامہ 92 نیوز، 3-7 ستمبر 2018ء)

صہیونیّت اور عالم اسلام کے درمیان مشرقِ وسطی اور اس کے آس پاس کے علاقے چودہ صدیوں سے میدانِ کارزار کا نقشہ پیش کر رہے ہیں۔ قرونِ وسطی میں اس جنگ کا نام صلیبی جنگ پڑ گیا تھا جس میں صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس عالم عیسائیت سے لے کر دوبارہ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ﷺ کی اُمت کی تحویل میں دے دیا تھا۔ اس وقت سے آخری صلیبی جنگ جاری ہے۔ عالم اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف اس جنگ کا ایک محاذ علمی اور تصنیف و تالیف کا میدان ہے۔ محترم اوریا مقبول جان صاحب نے اس محاذ کے حالات پر اس مضمون میں کچھ روشنی ڈالی ہے۔ (ادارہ)

اسلام، قرآن اور سیّد الانبیاء ﷺ کی شخصیت کو مسخ کر کے دنیا کے سامنے پیش کرنے کا آغاز طلوعِ اسلام کے تقریباً دو سو سال کے بعد شروع ہوا۔ جب مسلمان فاتحین نے ایران کی عالمی سلطنت کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا اور روم کی سلطنت کے وسیع حصوں مصر، مراکش، شام، الجزائر یہاں تک کہ 711 عیسوی میں اسپین کے بادشاہ روڈرک (RODERIK) کو شکست دی اور عیسائیت کو موجودہ اٹلی یعنی روم اور قسطنطنیہ یعنی موجودہ استنبول تک محدود کر دیا۔ اسی دوران مسلمانوں کی قسطنطنیہ پر مسلسل یلغار جاری تھی کہ روم کے کلیسا نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے

میں ایک منفی پراپیگنڈے کا آغاز کیا۔ نویں صدی عیسوی میں رسول اکرم ﷺ کو نعوذ باللہ دشمنِ عیسیٰ علیہ السلام یعنی ANTI CHRIST کہا گیا جس کا عدد 666 بتایا گیا۔ باقاعدہ اسلام دشمن تحریروں میں پہلا نام نائی سیٹس آف بازنطین (NICETAS OF BYZANTIUM) کا آتا ہے۔ جس نے پہلی دفعہ ایک کتاب تحریر کی جس کا عنوان تھا ''قرآن محمد (ﷺ) کی تصنیف ہے'' (نعوذ باللہ)۔ اس کتاب میں قرآن پاک کے غلط ترجمے کیے گئے مثلاً سورۂ اخلاص میں لفظ 'الصمد' کو 'صم' سے مشتق کر کے اس کا ترجمہ کوئی گول سی چیز کیا گیا اور بتایا کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے خدا کو اس طرح سمجھا ہے۔ اس دور میں روم کی بازنطینی سلطنت پر مائیکل سوئم (MICHAIL III) کی حکومت تھی جو 842 عیسوی سے 867 عیسوی تک وہاں برسر اقتدار رہا ہے۔ نائی سیٹس نے اس کے کہنے پر تین کتابیں لکھیں جن کا بنیادی مقصد اسلام اور سیّد الانبیاء ﷺ کی ذات کی تنقید تنقیص تھا۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی کیونکہ مسلمانوں اور اسلام کا ستارہ بام عروج پر رہا۔ بغداد و طلیطلہ کے علمی مراکز جگمگا رہے تھے، اسی لیے تحریف قرآن اور توہین رسالت کی یہ مہم آگے نہ بڑھ سکی۔ یہاں تک کہ 29 مئی 1453ء کو 21 سالہ سلطان محمد فاتح نے رومن بازنطینی سلطنت کے مرکز قسطنطنیہ کو 53 روزہ محاصرے کے بعد فتح کر لیا اور مسیحی یورپ کا آخری تاجدار کونسٹنٹائن یازدہم (CONSTANTINE XI) کا اقتدار بھی ختم ہو گیا۔ وہ رومی سلطنت جو 27 قبل مسیح میں قائم ہوئی تھی پندرہ سو سال بعد اس کا سورج باسفورس میں غروب ہو گیا۔ یہ مسلمانوں کے عروج کا آخری سورج تھا جو عثمانی خلافت کی صورت میں طلوع ہوا تھا۔ لیکن اس وقت تک مجموعی طور پر اُمت مسلمہ میں تاتاریوں کے حملوں اور غرناطہ کے سقوط کے بعد بحیثیت مجموعی ایک زوال کا آغاز ہو چکا تھا، جبکہ دوسری جانب مسیحی یورپ انگڑائی لے رہا تھا۔ صلیبی جنگوں کا زمانہ گزر چکا تھا۔ ان جنگوں نے یورپ کو مسلمانوں کے خلاف متحد کر دیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں مسیحی یورپ کی اتحادی افواج کی شکست کا زخم تازہ تھا۔ بغداد، اسکندریہ اور طلیطلہ کے علمی مراکز سے جو روشنی مستعار لی گئی تھی اس سے یورپ میں تحریک احیائے علوم (RENAISSANCE) کا آغاز ہو چکا تھا۔ لیکن اس احیائے علوم کی تحریک کے ساتھ ساتھ یورپ کی زیر سرپرستی اسلام، قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات اور شخصیت کو ایک غیر محسوس طریقے سے مسخ کرنے کی زیر زمین تحریک

بھی چل رہی تھی۔ان کوششوں کا آغاز 1537ء میں الیگزنڈر پاگانینی نے ایک تحریف شدہ قرآن شائع کر کے کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ اسے خلافت عثمانیہ میں تقسیم کیا جا سکے۔یورپ میں چھاپہ خانہ ایجاد ہو چکا تھا اس لیے اس تحریف شدہ قرآن کی لاتعداد کاپیاں بنائی گئیں۔مسلمانوں پر مجموعی طور پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے علاقوں میں چھاپہ خانے کی اجازت نہیں دی تھی۔یہ حقیقت کے بالکل برعکس بات ہے۔سلطان بایزید نے اپنے دور میں اسی قرآن پاک کی اشاعت کی وجہ سے صرف اور صرف عربی زبان میں کتابیں چھاپنے پر پابندی عائد کی تھی تاکہ اصل اور نقل کے درمیان عام آدمی پہچان کر سکے جبکہ باقی تمام علوم اور مذاہب کے لوگوں کو کتابیں چھاپنے کی اجازت تھی۔1727ء میں عربی زبان کی پرنٹنگ پر سے بھی پابندی اُٹھالی گئی،لیکن قرآن پاک اور احادیث کی پرنٹنگ کی اجازت نہ دی گئی۔خطرہ وہی تھا کہ اس طرح غلط اور تحریف شدہ قرآن پاک لوگوں میں تقسیم نہ ہو جائے لیکن 1742ء میں ابراہیم متفریکہ نے پہلا پرنٹنگ پریس قائم کیا۔یہاں ایک اور پروپیگنڈہ بھی عام ہے کہ علماء پرنٹنگ پریس کے مخالف تھے۔لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ جب تحریف شدہ قرآن کے تمام نسخے ڈھونڈ کر جلا دیے گئے اور پرنٹنگ پر پابندی برقرار تھی تو جب ابراہیم نے اس کی اجازت کے لیے درخواست دی تو سلطان احمد سوئم نے مفتی شیخ عبداللہ سے رائے لی۔مفتی صاحب نے کس قدر مناسب رائے دی۔''چونکہ اس سے فائدہ ہوگا،مگر ذہین اور ہوشیار لوگ اس کام پر لگائے جائیں تاکہ چھپائی میں غلطی نہ ہو''۔

دوسری جانب رسول اکرم ﷺ کی شان میں غیر محسوس طریقے سے گستاخی والی کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا گیا۔758 عیسوی میں پیدا ہونے والے ایک شاتم رسول تھیوفنس (THEOPHANES) کی کتاب (CHOMICLES) کو ڈھونڈ کر شائع کیا گیا۔یہی وہ کتاب ہے جو پورے مغرب میں توہین رسالت کا ماخذ تصور ہوتی ہے اور آج بھی جب کسی نے میرے پیارے آقا ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا ہو تو وہ اس کتاب کی ایک عبارت کا ''نقل کفر کفر نہ باشد'' حوالہ دیتا ہے۔تھیوفنس کی اس بے بنیاد اور توہین آمیز عبارت پر گزشتہ پانچ برس سے سرکار دو عالم ﷺ پر سائنسی،نفسیاتی اور معاشرتی تحقیق کے نام پر بکواس کی جاتی رہی ہے،ہرزہ سرائی کی گئی ہے۔جب میں یونیورسٹی میں نفسیات پڑھ رہا تھا اور آج بھی جو طلباء دنیا کی

یونیورسٹیوں میں نفسیات اور دیگر علوم کا مطالعہ کرتے ہیں تو انتہائی غیر محسوس طریقے سے کتاب کے اس حوالے سے میرے پیارے آقا ﷺ کی شخصیت کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہر وہ گمراہ سیکولر اور لبرل استاد اس غلیظ اور گستاخانہ کتاب کا برسبیل تذکرہ حوالہ دیتے ہوئے کہہ جاتا ہے کہ دیکھو یہ آج سے بارہ سو سال پہلے لکھی گئی تھی، اس لیے یہ بنیادی ماخذوں میں سے ایک ہے۔ یہ ہے وہ علمی بددیانتی جو مغرب نے یونیورسٹیوں میں رائج کر رکھی ہے کہ اسلام کو سمجھنے کے لیے بنیادی ماخذ قرآن وحدیث اور سیرت نہیں ہے بلکہ مستشرقین (ORIENTALIST) کی وہ کتابیں ہیں جو انہوں نے اسلام قرآن اور رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کے بارے میں تحریر کی ہیں۔ یہ تمام لکھاری اور مؤرخ وہ تھے جو چرچ کی سرپرستی میں کتابیں تحریر کرتے تھے۔ یہ انتہائی چالاکی سے ایسے لکھتے کہ وہ غیر جانبدار نظر آئیں اور بظاہر لگے کہ وہ مسلمانوں کے حق میں لکھ رہے ہیں۔ اسی لیے یہ سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے انتہائی غیر جانبداری اور اخلاص سے اسلام پر کام کیا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی کتابوں میں خاموشی سے ایسا میٹھا زہر بھر دیتے تھے جس سے اسلام، قرآن اور سیّد الانبیاء ﷺ کی تعلیمات مسخ ہو کر رہ جاتیں۔ یہ کون تھے اور انہوں نے کیسے رسول اکرم ﷺ کی شخصیت کو غیر محسوس انداز میں نعوذ باللہ انسانیت کا دشمن بنا کر پیش کیا۔ یہ ایسی کتابیں ہیں جو دنیا بھر میں گستاخانہ خاکوں کا ماخذ ہیں اور یہ سب کی سب دنیا بھر کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی ہیں اور پاکستان کے تعلیمی اداروں کی لائبریریوں میں آج بھی سنبھال کر رکھی جاتی ہیں۔ یہ سب کون تھے اور کیا تحریر کرتے رہے؟ یہ آئندہ سطور کا موضوع ہوگا۔

قرآن وحدیث اور تعلیمات اسلامی کے بارے میں تشکیک پیدا کرنے کا عمل مسیحی یورپ میں ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت گذشتہ ایک ہزار سال سے جاری ہے لیکن اس سارے عمل کو تحقیق وجستجو کے خوب صورت لبادے میں چھپا کر نہ صرف مغرب کے طالب علموں بلکہ مسلمانوں کے درمیان بھی ایک غیر محسوس طریقے سے پھیلایا گیا۔ یورپ میں جب مذہب بیزاری کی سیکولر تحریک شروع ہوئی تو جہاں عیسائیت، پوپ، چرچ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات ہدفِ تنقید بنی، احترام کا پردہ تار تار ہوا تو اسی اصول کی بنیاد پر پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات کو

بھی نشانہ بنایا جانے لگا۔طریق کار یہ اختیار کیا گیا کہ ہم لوگ دراصل تہذیبوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور ہر تہذیب میں جنم لینے والے مصلحین، فلسفی، سماجی نابغے، شاعر اور دیگر کی تعلیمات کا بغور جائزہ لیتے ہیں۔ یوں ان محققین نے ہر معاشرے کے پیغمبروں کو سب سے پہلے عام انسانی فلسفیوں، مصلحین اور انقلابیوں کی صف میں لا کھڑا کیا، وحی الٰہی کا انکار تو آزادانہ تحقیقی خیالات کی بنیاد تھی، اس لیے تمام مذہبی کتابوں کو بھی انسان کی اعلیٰ ترین تخلیق کے مرتبے پر جانچا جانے لگا۔ یوں پیغمبروں کی شخصیات بھی مصلحین، ریفارمرز یا انقلابی رہنماؤں کے برابر لا کر کھڑی کر دی گئیں۔ اس کے بعد جس طرح تمام انسانی رہنماؤں میں خامیاں ہوتی ہیں اور ان کی تعلیمات اضداد کی مجموعہ ہوتی ہیں، ویسے ہی پیغمبروں کی ذات کو بھی معصوم عن الخطا کے درجے سے گرا کر ان مفکرین نے اپنی ساری صلاحیتیں اس بات پر مرکوز کر دیں کہ بحیثیت انسان پیغمبروں نے زندگی میں ایک عام انسان کی حیثیت سے کون کون سی غلطیاں کیں۔ ان تمام محققین کی نظر میں پیغمبروں کا مقام زیادہ سے زیادہ معاشرے میں ایک سلجھے ہوئے، ذہین، با اخلاق اور اچھے کردار رکھنے والے سے زیادہ نہ تھا۔ ایک ایسا فرد جو خامیوں سے مبرا نہ ہو اور جسے کوئی غیر انسانی یا عالم بالا سے اللہ یا فرشتوں سے رہنمائی میسر نہ ہو۔

آج کے سیکولر اور لادین مغرب کو صدیوں اسلام دشمنی میں لکھی گئی تاریخ نے لوریاں دے کر پالا ہے۔ جب یورپ پر مسیحیت کا غلبہ تھا تو 1106ء میں لاطینی زبان کا ایک یہودی عالم پیٹرس الفانسو (PETRUS ALPHONSI) عیسائی ہو گیا۔ یہ شخص 1120ء میں سپین سے انگلینڈ آیا تو اسے وہاں کے عیسائی راہبوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہ عربی خوب جانتا تھا اور اس نے الف لیلیٰ کا ترجمہ بھی کر رکھا تھا۔ یہ پہلا مؤرخ، ادیب اور فلاسفر تھا جس نے قرآن کو ایک غیر الہامی کتاب بتایا، اسلام کے ارکان اور عقیدوں کا مذاق اڑایا اور تاریخی واقعات میں جھوٹ ملا کر اسے اپنے طور پر سچی تاریخ بنا کر پیش کیا۔ یہاں تک کہ اس نے الف لیلیٰ کے کردار سند باد جہازی کے نام سے کچھ خود ساختہ کہانیاں لکھیں اور اصل الف لیلیٰ میں ضم کر دیں، جنہیں آج بھی یورپ اصل الف لیلیٰ کے طور پر سمجھتا ہے۔ اس کے بارے میں یونیورسٹیوں میں پڑھایا جاتا ہے کہ وہ لبرل آرٹس (LIBRAL ARTS) کا ماننے والا ایک غیر متعصّب شخص تھا جبکہ حقیقت یہ

ہے کہ اس نے اس لبرل آرٹس کے لبادے میں اسلام کا چہرہ مسخ کرنے اور رسول اکرم ﷺ کی ذات کو غلط انداز میں پیش کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ یہی وہ دور تھا جب 1095ء میں پوپ اربن دوئم کے صلیبی جنگوں کے مشہور خطبے نے پورے یورپ میں انتقام کی آگ سلگا رکھی تھی۔ پیٹرس الفانسو کی کتابوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ لوگوں میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ ایک عالم جو عربی جانتا ہے، بنیادی طور پر ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوا، اس نے 'تعصب سے بالاتر' ہوکر یہ کتابیں لکھی ہیں، وہ عیسائیت کی حقانیت کو دیکھ کر عیسائی بھی ہو چکا تھا، ایسے عظیم شخص کے تو ایک ایک لفظ پر اعتبار کیا جانا چاہیے۔ چرچ نے اسلام اور رسول اکرم ﷺ دونوں کے خلاف اس شخص کی تحریروں کو خوب استعمال کیا۔ یورپ کو متحد کیا اور یوں پہلی صلیبی جنگ 1095ء سے 1099ء تک لڑی گئی، دوسری 1147-1149، تیسری 1187-1192، چوتھی 1202-1204، پانچویں 1217-1221، چھٹی 1228-1229، ساتویں 1270، نویں 1271-1272 اور اس کے بعد آخری صلیبی جنگ 1464ء میں ہوئی۔ ان صلیبی جنگوں سے دو نتیجے برآمد ہوئے۔ عیسائی مشنری جہاد کے نام پر اس قدر سرمایہ اکٹھا ہوا کہ ہر شہر اور قصبے کا چرچ مالدار ترین ادارہ ہوگیا اور دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ جب یورپ کے جاہل، گنوار اور جنگلی جنگجوؤں نے دمشق، بغداد اور قاہرہ کی گلیاں دیکھیں جو پختہ تھیں، راتوں کو سٹریٹ لائٹ اور نہانے کے لیے گرم حمام جیسی سہولیات انہیں نظر آئیں، ہزاروں بستروں پر مشتمل ہسپتال اور 24 گھنٹے کھلی رہنے والی لائبریریاں اور لیبارٹریاں ان کے مشاہدے میں آئیں تو وہ اس اسلامی تہذیب سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ واپس لوٹ کر انہوں نے صرف اور صرف علم کے حصول پر اپنی توجہ مبذول کر دی اور ان تمام اصولِ مدنیت (CIVIC PRINCIPLES) کو اپنے شہروں میں نافذ کرنا شروع کر دیا۔ اسی تبدیلی کی کوکھ سے مائیکل اینجلو اور لیونارڈ ڈاونچی جیسے آرٹسٹ اور ایڈلیڈ، گلیلیو جیسے سائنسدانوں نے جنم لینا شروع کر دیا۔ ایک مدت گزرنے کے بعد اسی تحریکِ احیائے علوم کی کوکھ سے سیکولرزم اور لبرلزم نے جنم لیا۔ چرچ کی بادشاہی کے خاتمے کے لیے تو تحریک چلانا پڑی اور لوگوں کو منظم کیا گیا، لیکن اسلام کے خلاف اس کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ کئی صدیوں سے عیسائی چرچ نے اسلام اور رسول اکرم ﷺ کے خلاف مواد جمع کر رکھا تھا

جسے سیکولر لبرل محقق آزادیٔ اظہار، غیر متعصب تاریخ نویسی اور مذاہب کے مطالعے کے نام پر دوبارہ منظر عام پر لے آئے اور اس میں بے شمار اضافہ بھی کیا گیا۔ اسی ''علمی جدوجہد'' کی کوکھ سے مستشرقین (ORIENTALIST) پیدا ہوئے۔

یہ مستشرقین (ORIENTALIST) بظاہر تاریخ دان اور مذاہب کے مطالعے کرنے والے غیر متعصب سکالرز کے رُوپ میں سامنے آئے اور آج بھی دنیا بھر کی درسگاہوں میں انہیں ویسے ہی پیش کیا جاتا ہے۔ ان میں سے پہلا نام ہنری اسٹب (HENRY STUBBE) کا ہے جس نے 1671ء میں ایک کتاب تحریر کی جس کا نام تھا "THE RISE AND PROGRESS OF MOHAMMEDANISM" محمدازم کا ظہور اور ترقی''۔ یہ بظاہر ایک غیر جانبدارانہ تحریر تھی مگر اس میں تاریخی غلطیاں اس لیے درآئیں کیونکہ اسلام کے بارے میں ابتدائی عیسائی تحریریں حوالے کے طور پر استعمال ہوئی تھیں۔ اس کتاب کے بعد جو کتاب 1718ء میں منظر عام پر آئی وہ جان ٹولینڈ (JOHN TOLAND) کی کتاب یہودیت پرستی اور محمدن عیسائیت "JEWISH GENTILE AND MOHAMDIAN CHRISTIANITY" تھی۔ آئرلینڈ میں پیدا ہونے والا یہ آزاد خیال فلسفی کی کتابوں کا مصنف تھا۔ وہ خود کو دلیل اور منطق کا نمائندہ ادیب خیال کرتا تھا یہی وجہ ہے کہ اس نے بائبل کے دفاع میں ایک ایسی کتاب لکھی، جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ بائبل کی ایک بھی آیت دلیل اور منطق سے ماورا نہیں ہے۔ اس کی اس کتاب کا نام "CHRISTIANITY NOT MYSTERIOUS" (عیسائیت عقل سے ماورا نہیں) ہے۔ ان دونوں مصنّفین کی کتابوں کا نچوڑ یہ تھا کہ دنیا میں تمام مذاہب دراصل ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں، سب ایک ہی پیغام لائے ہیں، ان میں آفاقیت ہے، اس لیے بین المذاہب ہم آہنگی کا تقاضا یہ ہے کہ سب مذاہب کی اچھی اچھی تعلیمات اور شخصیات کو عالمی سطح پر مانا جانا چاہیے اور انسانیت دشمن تعلیمات اور شخصیات کا سختی سے ردّ کیا جانا چاہیے۔ اسی بظاہر ایک اعلیٰ مقصد کی آڑ میں سے ایک راستہ نکالا گیا کہ کس طرح رسول اکرم ﷺ کی شخصیت کو نعوذ باللہ ایک انسانیت دشمن پیرائے میں پیش کیا جائے اور اسلام کی تصویر ایک خونی مذہب کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کی جائے۔ 1671ء سے

لے کر آج تک ساڑھے تین سو سال میں ہزاروں ایسے مصنف پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اسی آزاد خیالی (FREE THINKING) اور غیر متعصّبانہ سوچ (OBJECTION THOUGHT) جیسے اعلیٰ وارفع مقاصد کی آڑ میں اسلام، قرآن اور رسول اکرم ﷺ کی شخصیت کو مسخ کرنے کی جسارت کی۔

آج دنیا بھر میں رائج سیکولر اور لبرل نظام تعلیم نے گزشتہ تین صدیوں سے بظاہر ایسے غیر متعصب اور آزاد خیال تاریخ دان اور مؤرخ پیدا کیے جنہوں نے اسلام اور رسول اکرم ﷺ کے بارے میں بے شمار تحقیق کی اور ان کی کتابوں سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے انہوں نے اسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہو اور وہ سید الانبیاء ﷺ کی ذات سے بہت متاثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مصنّفین کی کتابوں کا نہ صرف تمام عالم اسلام میں ترجمہ ہوا بلکہ آج تک ان لوگوں کی کتابوں کے اقتباسات کو اسلام کی حقانیت اور رسول خدا ﷺ کی شخصیت کی ہمہ گیریت کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ وہ بدبخت تھے جنہوں نے اس آزاد خیالی اور عدم تعصب کے لبادے میں ایک خطرناک زہر اپنی تحریروں میں اسلام، قرآن اور رسول مقبول ﷺ کی ذات کے بارے میں دانستہ طور پر گھولا ہے۔ ان مصنّفین کی اکثریت گذشتہ دو صدیوں کی پیداوار ہے، یہ آکسفورڈ، کیمبرج، سکول آف اورینٹل سٹڈیز لندن اور ایسی ہی دیگر یونیورسٹیوں کے سیکولر ماحول میں بیٹھ کر صرف اور صرف اسلام اور رسول اکرم ﷺ کی ذات کے خلاف اسلامی تحقیق کے خوبصورت لبادے میں کتابیں لکھتے تھے۔ تعصب کا یہ عالم ہے کہ یہ لوگ ہندو مذہب کو تو اس کی رنگینی کی وجہ سے داد دیتے، بدھ کو انسان دوستی پر، یہودیوں کو دو ہزار سالہ مظلومیت اور نسل کشی پر اور عیسائیت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر سراہتے نظر آتے ہیں لیکن اسلام کو یہ ایک خونخوار اور ظالم مذہب بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ان جدید مستشرقین میں اوّلین نام مارگولیتھ (MARGOLIOUTH) کا ہے۔ لندن میں پیدا ہونے والا یہ شخص 1889ء کو آکسفورڈ یونیورسٹی میں آیا اور مرنے سے تین سال پہلے یعنی 1937ء تک وہیں رہا۔ یہ عربی، عبرانی اور ترکی زبان کا ماہر تھا اور آکسفورڈ میں عربی کا پروفیسر تھا۔ اس نے سب سے پہلے ''قصیدہ بردہ'' پر مقالہ لکھا جو تحقیق کے اعلیٰ معیار

پر تھا اور مسلمانوں کی نظروں میں بہت مقبول ہوا۔ اسی شخص کا ایک اور ہم عصر سر ولیم میور (WILLIAM MUIR) تھا۔ یہ برطانوی ہند کی سول سروس میں 1865ء میں خارجہ سیکرٹری بھی رہا اور آج کے صوبہ خیبر پختونخواہ کا اس وقت گورنر بھی۔ یہ دونوں مصنّفین آج کے جدید یورپ کے مفکرین کے نزدیک اسلام اور مسلمانوں کو سمجھنے کا بنیادی ذریعہ سمجھے جاتے ہیں۔ دونوں کی تحریروں میں جھوٹ اور غلط تاریخی روایات سے اسلام اور سرکار دو عالم ﷺ کی شخصیت کو مسخ کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

ولیم میور کی کتاب "THE LIFE OF MOHAMMED" 1857ء میں منظر عام پر آئی اور مارگولیتھ کی کتاب "MOHAMMED AND THE RISE OF ISLAM" 1905ء میں آئی۔ ولیم میور کی کتاب پر سرسید احمد خان نے جس ردعمل کا اظہار کیا وہ غیرت ایمانی کا نمونہ تھا۔ انہوں نے اس کے جواب میں اپنی کتاب ''خطبات احمدیہ'' تحریر کی اور اسے لندن سے چھپوایا۔ ولیم میور کی کتاب اور مارگولیتھ کی کتاب دونوں یہ ثابت کرنے لیے لکھی گئیں کہ اسلام دراصل ایک چربہ مذہب ہے اور رسول اکرم ﷺ کی ذات (نعوذ باللہ) ایک اعلیٰ سطح کے شاعر اور غیر مرئی طاقتوں کے زیر اثر خیالات رکھنے والی تھی اور ان کے قبائلی مزاج نے انہیں جنگجو بنا دیا تھا۔ میں وہ تحریر یہاں نہیں لکھ سکتا کہ اس کے لیے دل پر بہت جبر کرنا پڑے گا اور دوسرا یہ بھی کہ شاید آج کے جدید دور میں بھی ایسی تحریر کوئی مسلمان برداشت نہ کر سکے۔ ان دونوں مصنّفین نے مسلمانوں کے اصل ماخذ قرآن، حدیث اور تاریخ کے الفاظ تبدیل کر کے اپنی کتابوں میں لکھے اور ایک منصوبے کے تحت ان خیالات کو آگے بڑھایا جو ایک ہزار سال پہلے عیسائی چرچ کے زیر سایہ لکھی جانے والی کتب میں تحریر کیے گئے تھے۔ مارگولیتھ نے تو رسول اکرم ﷺ کی ذات پر بہت جھوٹ بولے۔ یہ سب جھوٹ نہ کسی اسلامی تاریخ میں ملتا ہے اور نہ ہی احادیث میں۔ لیکن ان کی کتابوں میں ڈھٹائی سے بولا گیا اور آج پوری دنیا میں یہ کتابیں ماخذ کے طور پر جانی جاتی ہیں۔ مارگولیتھ کی کتاب کے جواب میں ایک عرب عالم ڈاکٹر مصطفیٰ ہدارہ نے ایک طویل مقالہ تحریر کیا جو کتابی صورت میں شائع ہوا۔ لیکن آج آپ یورپ تو دور کی بات ہے، مسلم دنیا کی یونیورسٹیوں، کالجوں اور عام لائبریریوں میں جا کر دیکھ لیں آپ کو سرسید کی ''خطبات احمدیہ'' یا مصطفیٰ ہدارہ کی کتاب

کہیں نہیں ملے گی۔ جبکہ ان یورپی مفکرین کی کتابیں نظر آئیں گی۔ ان کے بعد ایک طویل فہرست ان تمام مغربی یورپی مصنّفین کی ہے جنہوں نے اسلام اور رسول اکرم ﷺ کے مداحین بن کر ایسی کتب لکھیں جن میں سرکار دو عالم ﷺ کی شخصیت کو غیر محسوس طریقے سے مجروح کرنے اور ان کا درجہ ایک پیغمبر سے گرا کر مصلح، سیاسی حکمران اور مفکر کے طور پر پیش کیا۔ اس طرح انہوں نے اسلام کو بھی ایک الہامی دین کی بجائے فتوحات کرنے اور دوسری قوموں پر غلبہ حاصل کرنے اور جنگیں جیتنے کے لیے بنایا گیا ایک مذہب بتایا اور قرآن پاک کو (نعوذ باللہ) فوجی حکمت عملی کی ایک خود ساختہ کتاب کے طور پر پیش کیا۔ ان لوگوں میں منٹگمری واٹ، میکس ویبر، ٹائن بی، ڈاکٹر سپرنگر، گولڈز ہیر اور ول ڈیورانٹ جیسے بڑے نام بھی شامل ہیں۔ یہ سب کے سب آج دنیا کی ہر یونیورسٹی میں پڑھائے جاتے ہیں اور اسلام اور اسلامی تاریخ پر اتھارٹی مانے جاتے ہیں۔ یورپ اور مغرب تو خیر ان سے متاثر ہے کہ ان بیچاروں کے پاس ان کی زبانوں میں اسلام رسول اکرم ﷺ پر اصل مآخذ کی بنیاد پر لکھی جانے والی کتابوں کا فقدان ہے۔ لیکن پاکستان کا جعلی مفکر، اور محدود علمی استعداد والا دانشور، ادیب اور آج کے دور کا مقبول کالم نگار، جب اسلام پر بحث کرتا ہے تو قرآن و حدیث یا مسلمانوں کی تاریخی کتابوں کے حوالوں کی بجائے انہی لوگوں کے حوالے دیتا ہے اور پھر دلیل یہ دیتا ہے کہ یہ تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنوں کو بھی نہیں بخشا، اس لیے یہ زیادہ قابل اعتبار ہیں۔ دنیا کی کسی یونیورسٹی میں چلے جائیں، نصاب کی کوئی کتاب اُٹھالیں، آپ اگر اسلام، قرآن اور پیغمبر خدا کے بارے میں پڑھنا ہے تو یہی مستشرقین نظر آئیں گے۔ ان تمام لکھاریوں نے مل کر یورپ اور مسلمان سیکولر طبقے کا ایک مزاج بنا دیا ہے۔ ایسا مزاج جس میں ان کو رسول اکرم ﷺ کی توہین آزادی اظہار لگتی ہے، یا پھر ایک معمول کا واقعہ نظر آتی ہے۔ گزشتہ چودہ سو سال سے یہ لوگ ایسا کچھ کرتے آئے ہیں اور مسلمان غیرت ایمانی کا ثبوت دے کر ان کے ناپاک وجود سے دھرتی کو پاک کرتے رہے ہیں۔ مسلمانوں کے اسی رویے کو انہوں نے شدت پسندی سے تعبیر کیا اور اپنے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف اکٹھا کر لیا۔

لیکن ایسا کیا ہو کہ یورپ نے پہلی دفعہ پسپائی اختیار کی۔ خاکوں کا مقابلہ روک دیا۔ دراصل وہ اپنے ہی بنائے ہوئے ایک قانون کے جال میں آ گئے ہیں اور انہیں اندازہ ہو گیا ہے کہ

اگر اس قانون کے اطلاق کو توہین رسالت کے معاملے میں عالمی سطح پر معاملہ اُٹھایا گیا تو ان کے لیے مسئلہ بن جائے گا۔ گذشتہ ستر سالوں میں ایک معاملے پر بہت زور دیا گیا ہے جسے نفرت کی زبان "HATE SPEECH" کہتے ہیں۔ اسی قانون کی بنیاد پر یہودیوں نے ہولوکاسٹ پر بات کرنے پر پابندی لگوائی اور ہٹلر کی تعریف پر پابندی لگوائی اور نفرت کی زبان کے قانون کے اطلاق کا یہ عالم ہے کہ اگر ایک خاص تعداد سوشل میڈیا کی کسی ویب سائٹ یا پیج کے بارے میں یہ رپورٹ کرے کہ اس سے نفرت پھیلتی ہے تو اس کی انتظامیہ اس پر پابندی لگا دیتی ہے۔ مسلمان اس وقت دنیا میں ایک ارب پچاس کروڑ ہیں۔ اگر ان تمام ستاون ممالک کی حکومتیں اقوام متحدہ کے زیر سایہ بننے والی اسلامی کانفرنس تنظیم میں یہ معاملہ اُٹھاتی ہیں اور ایک ارب پچاس کروڑ مسلمانوں کی جانب سے اسے نفرت کی زبان "HATE SPEECH" قرار دے دیا جاتا ہے اور یہ معاملہ اقوام متحدہ تک بھی پہنچ جاتا ہے تو اقوام متحدہ کے نزدیک نفرت کی زبان کی بس ایک ہی تعریف ہے کہ وہ ایک کثیر تعداد کے دلوں کو دکھائے یا ان کے جذبات مجروح کرے اور ایک ارب پچاس کروڑ کم تعداد نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ کی طرف سے پسپائی اختیار کی گئی۔ لیکن پاکستان کی حکومت اور عمران خان کو یہ معاملہ اپنے وعدے کے مطابق اسلامی کانفرنس تنظیم اور اقوام متحدہ میں لے جانا چاہیے اور اقوام متحدہ سے اسے اس کی نفرت کی زبان "HATE SPEACH" کے طور پر ''زمرہ بندی'' (CLASSIFY) کروانا چاہیے، اگر ایسا ہو گیا تو پھر یہ پسپائی ایک مستقل پسپائی بن جائے گی ورنہ یہ لوگ پھر سر اُٹھا لیں گے۔

افغانستان، پاکستان اور تاریخ کا ایکشن ری پلے (REPLAY)!

ڈاکٹر عاصم اللہ بخش

(بشکریہ پندرہ روزہ معارف فیچر کراچی جنوری 2018ء)

یہ 1838ء کی بات ہے، ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ آکلینڈ کو افغانستان کے حوالے سے اب ایک اہم فیصلہ کرنا تھا۔ روس کے ساتھ جاری تجارتی مخاصمت میں ایسٹ انڈیا کمپنی پچھڑنے لگی تھی اور اس صورتحال میں تبدیلی کے لیے ضروری تھا کہ افغانستان میں اپنی پوزیشن کو مضبوط کیا جائے۔ کابل کا بارکزئی حکمران، امیر دوست محمد خان، برطانوی مفادات کے لیے معاون ثابت نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی پنجاب کے حکمران رنجیت سنگھ کے ساتھ پشاور کے علاقے پر سخت کشمکش جاری تھی اور رنجیت سنگھ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا حلیف تھا۔ دونوں سے بیک وقت دوستی رکھنا ناممکن ہو رہا تھا۔ رنجیت سنگھ کو ناراض کرنے کا مطلب افغانستان تک براہِ راست رسائی میں ایک بڑا تعطل ہوتا جبکہ کابل آسان ہدف تھا کیونکہ وہاں پر اندرونی خلفشار کی وجہ سے استحکام کا شدید فقدان تھا۔

صورتحال کو دیکھتے ہوئے گورنر جنرل نے افغانستان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ہدف یہ تھا کہ وہاں پر حکمران کی تبدیلی عمل میں لاکر روس کے مقابلے میں اپنی پوزیشن بہتر بنائی جائے۔ لارڈ آکلینڈ نے اس ضمن میں 'شملہ فرمان' جاری کر دیا اور افغانستان پر حملے کی تیاری شروع ہوگئی۔ بنیاد یہ بتائی گئی کہ دوست محمد خان روسی مفادات کے لیے کام کر رہا ہے اور اس کی سرکوبی ضروری ہے۔ رنجیت سنگھ سے رابطہ کیا گیا، اس نے حملہ میں ساتھ دینے کی حامی بھر لی لیکن ساتھ ہی دو شرائط

بھی عائد کردیں: اوّل یہ کہ اس کی افواج کابل پر حملہ میں تو ساتھ دیں گی لیکن وہ وہاں پر قبضہ برقرار رکھنے کے لیے ٹھہریں گی نہیں۔ دوسرا برطانوی فوج کو پنجاب سے گزر کر افغانستان جانے کی اجازت نہیں ہوگی، اس کے لیے انہیں کوئی اور راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ برطانیہ نے کچھ ردّوکد کے بعد یہ دونوں شرائط مان لیں کیونکہ اس اہم معرکہ کے لیے وہ رنجیت سنگھ کی فوجی مدد سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتے تھے۔

اب مسئلہ یہ درپیش ہوا کہ افواج اور ساز وسامان کی نقل وحرکت کے لیے کون سا راستہ اختیار کیا جائے۔ فوجی منصوبہ سازوں نے فیصلہ کیا کہ رنجیت سنگھ کی فوج درّہ خیبر سے حملہ آور ہوگی اور برطانوی دستہ درہ بولان کے راستے افغانستان میں داخل ہوگا اور سندھ سے گزر کر وادیٔ بولان پہنچا جائے گا۔ سندھ میں اس وقت تالپور خاندان حکمران تھا۔ ان کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی نے فوری طور پر ''دائمی دوستی'' کا معاہدہ کیا اور ساتھ ہی اپنی فوج کے لیے راہداری مانگ لی، جو انہیں فوراً ہی دے دی گئی۔

بہرحال طے شدہ پلان کے مطابق دونوں اطراف سے افغانستان پر حملہ ہوا اور ناقابل یقین سرعت سے حملہ آور افواج کابل تک جا پہنچیں۔ دوست محمد خان کی حکومت ختم ہوگئی اور اگست 1839ء میں کابل کا تخت شاہ شجاع کے حوالے کردیا گیا۔ 1840ء میں دوست محمد خان نے خود کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کردیا اور اسے ایک قیدی کی حیثیت میں ہندوستان بھیج دیا گیا۔

اب کہانی کا اگلا موڑ آتا ہے۔ دنیا کی جنگی تاریخ میں ایک جنرل ایسا ہے جس نے بہت سی جنگوں میں فاتح کا کردار ادا کیا تاہم اس کا ذکر کچھ خاص کیا نہیں جاتا وہ جنرل ہے ''موسم سرما''۔ نپولین اور ہٹلر کو روس میں اسی جنرل نے اصل شکست دی۔ برطانیہ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہونے جارہا تھا۔ دسمبر 1841ء میں دوست محمد کے بیٹے وزیر محمد اکبر خان نے کابل میں حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا اور وہاں پر تعینات برطانوی نمائندہ (فی الواقع اصل حکمران) ولیم مکاٹھن کو قتل کردیا۔ یہ بغاوت تیزی سے پھیل گئی، ایک ماہ کے اندر برطانوی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہوں نے جلال آباد کی طرف پسپائی کا سفر شروع کیا۔ یہ سفر برطانوی فوجی تاریخ کا بھیانک ترین باب ثابت ہوا۔ کابل سے نکلے 16500 نفوس میں سے صرف ایک، ڈاکٹر ولیم

برائڈن زندہ سلامت جلال آباد پہنچ سکے۔ باقی سب کو دشوار گزار راستوں اور سخت موسم نے لاچار کر دیا اور حملہ آوروں نے انہیں چن چن کر قتل کر دیا۔ ستم ظریفی دیکھئے کہ اس جنگ کے بعد کابل کا تخت پھر سے دوست محمد خان کو مل گیا اور تمام تر تباہی کے بعد صورتحال پھر جوں کی توں ہوگئی۔

مندرجہ بالا معرکہ کو ''پہلی افغان'' جنگ کہا جاتا ہے۔ اس جنگ میں اتنی بڑی ہزیمت ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے بہت بڑی پریشانی کا سبب تھی۔ اگر یہ ایک مثال بن جاتی تو ہندوستان پر قبضہ اور ایک برتر فوجی طاقت ہونے کا تأثر، دونوں ہی خطرات کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اس لیے اپنا رُعب برقرار رکھنے کے لیے کوئی جنگ جلد از جلد جیتنا از حد ضروری تھا۔ بڑی طاقتوں کی نفسیات بھی بلی کی طرح ہوتی ہیں۔ جب پاؤں جلتے ہیں تو اپنوں کو ہی پاؤں تلے دے کر بچاؤ کی کوشش کی جاتی ہے۔ اب کہ قرعہ فال ''دائمی دوستی'' والے تالپور خاندان اور سندھ کی سرزمین کے نام نکلا۔ چارلس نیپیئر کی سربراہی میں فوج سندھ کی جانب روانہ کی گئی۔ اس وقت کے حکمران میر ناصر خان تالپور نے چارلس نیپیئر سے مذاکرات کیے اور اس کی لگ بھگ تمام شرائط تسلیم کر لیں۔ یہ طے ہوا کہ نیپیئر اپنی افواج کو پیچھے ہٹا لے گا۔ اس نے ایسا کرنے کا حکم بھی دے دیا لیکن پھر پلٹ کر حملہ کر دیا اور فروری 1843ء میں ''میانی'' کے مقام پر دونوں فوجوں کا ٹکراؤ ہوا اور انگریزی افواج نے فیصلہ کن فتح حاصل کر لی۔ پورے سندھ پر برطانیہ کا قبضہ ہو گیا جو قیامِ پاکستان تک جاری رہا۔

کہا جاتا ہے کہ افغانستان کو سمجھنے کے لیے افغان جنگ کو دیکھ لینا کافی رہتا ہے۔ اس کے بعد تمام معرکے قریباً اسی کا ''ایکشن ری پلے'' ثابت ہوتے آئے ہیں۔ بیرونی جارحیت کے لیے کسی ''مناسب'' سی وجہ کی تشکیل، جارحیت کا ارتکاب، جارح کی تیزی سے کامیابی، پھر اس کے خلاف بغاوت اور بالآخر تھکے ہارے جارح کی واپسی۔ یہی نہیں۔ اس میں سندھ اور تالپوروں والی تاریخ بھی دہرائی جاتی ہے۔ وہ برطانیہ کا معاملہ تھا، اب معاملہ امریکہ سے ہے۔ یہ اس سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ انہوں نے تو جنگ ہارنے کے بعد اپنے حلیفوں پر حملہ کیا تھا، امریکہ نے تو سویت یونین کے خلاف جنگ جیتنے کے فوراً بعد پہلی پابندیاں اپنے حلیف پاکستان پر لگائی تھیں جبکہ اس وقت تو اسے افغانستان میں ایک عبرت ناک شکست کا سامنا ہے۔ اب وہ کیوں نہ پاکستان پر اپنا غصہ نکالے گا؟ پاکستان نے 2001ء میں جب امریکہ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تو وہ دراصل امریکہ کا

ساتھ نہیں تھا، وہ اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کی ایک قرارداد کے پریشر سے مجبور تھا، جسے عوامی جمہوریہ چین نے پیش کیا اور اسے سلامتی کونسل کے پانچوں مستقل ممبران کی پوری حمایت حاصل تھی۔ تاہم پاکستان کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ ایک دن یہ بات اقوامِ متحدہ کے بجائے اس کے اور امریکہ کے درمیان قضیہ بن کر سمٹ آئے گی اور وہ دن بالآخر آ گیا۔ اسی دن کے لیے پاکستان نے اپنی تمام آپشنز امریکہ کے حوالے نہیں کیے۔ اسے افغانستان میں اُلجھا کر رکھا اور وقت گزارتے رہے۔ آج پوزیشن یہ ہے کہ نہ وہ چین امریکہ کے ساتھ کھڑا ہے، جس نے سلامتی کونسل کی قرارداد ڈرافٹ کی اور نہ ہی روس امریکہ کے ساتھ ہے، جس نے سلالہ حملے کے بعد امریکہ کے شمالی کوریڈور فراہم کیا۔ اب حلیف بھی بدل چکے ہیں اور حریف بھی۔ امریکا کا بے بھاؤ تاؤ یہ بتاتا ہے کہ وہ ہزیمت کے اعلان سے پہلے پاکستان کو زک پہنچانے پر آمادہ ہے، تاکہ اس کی مجروح اَنا کی تسکین ہو سکے۔ لیکن امریکہ کے لیے یہ سب براہِ راست کرنا اگر ناممکن نہیں تو آسان بھی نہیں ہے۔

امریکہ کی کوشش ہے کہ ایک پنتھ دو کاج کا معاملہ کیا جائے اور پاکستان کو بھارت سے یہ نقصان پہنچے تاکہ پاکستان کی سبکی بھی ہو اور بھارت کو علاقائی سپر پاور کا قاعدہ درجہ بھی حاصل ہو جائے۔ یہ چین کو محدود کرنے کی پالیسی کا اہم ترین حصہ ہے۔ پاکستان کو اب اور بھی زیادہ چوکنا رہنا ہوگا۔ بالخصوص بھارت کے حوالے سے۔ پاکستانی میڈیا کو ایسی کسی بھی خبر کو سرخیوں میں جگہ دینے سے گریز کرنا ہوگا جس میں بھارت میں کسی عسکریت پسند حملے کا ذکر ہو۔ نہ ہی ایسا کرنے والوں کو مجاہدین وغیرہ لکھا جائے۔ بھارت نے جو بھی کرنا ہے اس سے قبل وہ گنگا ہوائی جہاز کے اغوا جیسا ڈراما ضرور کرے گا۔ تاکہ اسے کسی فوجی اقدام کا جواز مل سکے۔ اگر ہم اس حوالے سے نہیں چوکے تو بھارت کے لیے بھی کچھ کرنا مشکل ہوگا۔ نیز، اپنے ہاں کسی بھی دہشت گردانہ کارروائی کے خلاف نیوکلیئر تنصیبات کی حفاظتی پیش بندی بھی نہایت اہم ہے۔

پاکستان کے لیے یہ صورتحال غیر متوقع نہیں۔ تاہم یہ افسوس ضرور ہے کہ ہم اپنی غیر سنجیدگی کے باعث خود کو معاشی طور پر مضبوط نہ کر سکے اور نہ ہی سیاسی طور پر مستحکم۔ اب بھی وقت ہے۔ سیاسی استحکام کو موقع ملنا چاہیے۔ یاد رہے، تالپوروں کی شکست میں یہ ایک بہت بڑا عنصر تھا۔

حکمتِ اقبال پر ایک عمومی نظر

4

ڈاکٹر محمد رفیع الدین
کی کتاب 'حکمت اقبال' سے ایک باب

علمی حقائق تنہا صحیح تصورِ حقیقت کی طرف راہ نمائی نہیں کر سکتے

لیکن فلسفی ایسے صحیح تصورِ حقیقت کو جو نہ صرف اس کے نظامِ حکمت کو معقول اور مدلل بنا سکتا ہو بلکہ تمام نادرست علمی حقائق کو درست کر سکتا ہو اور نئے نئے درست علمی حقائق کی دریافت کے لیے راہ نمائی بہم پہنچا سکتا ہو، کہاں سے لائے۔ ذہن انسانی حقیقت کائنات کے لاتعداد مادی اور روحانی تصورات قائم کر سکتا ہے کیونکہ اوصاف وخواص کی ذرا سی تبدیلی سے تصور بدل جاتا ہے۔ فلسفی یہ جاننا چاہتا ہے کہ ان گوناگوں تصورات میں سے کون سا تصورِ حقیقت ایسا ہے جو اپنی فطرت اور اپنے اوصاف وخواص کی بنا پر حال کے علمی حقائق کے ساتھ پوری پوری مطابقت رکھتا ہے کیونکہ اگر ایسا تصور مل جائے تو وہی مستقبل کے علمی حقائق کے ساتھ بھی مطابقت رکھے گا لیکن علمی حقائق کی تعداد ہمیشہ اس قدر کم رہتی ہے کہ فقط ان علمی حقائق کی مدد سے از خود اس تصور کا جان لینا ایک فلسفی کے لیے بہت دشوار ہے، اس قدر دشوار کہ اسے ناممکن کے درجہ میں رکھنا ضروری ہے۔ تاہم ہر ایک فلسفی نے یہ کوشش کی ہے کہ اپنے زمانہ کے معلوم علمی حقائق کی بنا پر ایک تصور حقیقت قائم کرے اور پھر اس کی بنا پر ایک فلسفہ کی تعمیر کرے۔ لیکن نتیجہ یہ ہے کہ ہر فلسفی کا تصور حقیقت ادھورا اور بیکار اور اس کا استدلال غلط اور نامعقول ہو کر رہ گیا ہے۔ آج تک کوئی فلسفی ایسا

نہیں ہوا جس کے استدلال کی صحت یا معقولیت بجا طور پر دوسرے فلسفیوں کے شدید اعتراضات کی زد میں نہ آئی ہو۔ فلسفیوں کے باہمی اختلافات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ پھر اگر کوئی فلسفی دوسرے فلسفیوں کے اعتراضات کی روشنی میں اپنے فلسفہ کی اصلاح کرنا چاہے تو اس کوشش میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا کیونکہ جب وہ اپنے غلط فلسفہ کی جو ایک غلط تصورِ حقیقت پر مبنی ہوتا ہے ایک خامی کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے اندر اور خامیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر ہم کسی کمرہ کے اندر ایک خوبصورت قالین جو کمرہ سے کسی قدر بڑا ہو اس طرح بچھانا چاہیں کہ وہ کمرہ میں پوری طرح پھیل جائے اور سارے گونا گوں نقوش جو اس کے اندر بن گئے ہیں پیش نظر ہو جائیں تو ہم اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ کمرے کی تنگی کی وجہ سے قالین میں جا بجا شکن پڑ جائیں گے اور شکنوں کے اُوپر کے نقوش کا منظر بگڑ جائے گا یا نظروں سے اوجھل ہو جائے گا اور اگر ہم ان شکنوں کو ایک طرف سے ہٹانے کی کوشش کریں گے تو وہ کسی اور طرف ظاہر ہو جائیں گے اور اگر پھر اس طرف سے ہٹائیں گے تو ایک اور ہی طرف نمودار ہو جائیں گے۔ یہی حال ایک ناقص اور ادھورے تصورِ حقیقت کا ہے کہ یہ خوبصورت کائنات اپنے گونا گوں دلکش حقائق کے سمیت اس کی تنگ دامانی کے اندر سما نہیں سکتی۔ اگر ہم اس کے ناقص تصورِ حقیقت کی بنا پر کائنات کا کوئی نظامِ حکمت تیار کریں اور اس طرح سے گویا کائنات کو اس کے اوپر منطبق کرنے کی کوشش کریں تو کائنات اس پر پوری طرح منطبق نہیں ہو گی اور نظامِ حکمت کے استدلال میں جا بجا عقلی اور منطقی اُلجھنیں پیدا ہو جائیں گی اور ان اُلجھنوں کی وجہ سے حقائق علمی جا بجا مسخ ہو جائیں گے یا نظر انداز ہو جائیں گے اور اگر ہم ان اُلجھنوں کو نظامِ حکمت کے ایک گوشہ سے دور کرنے کی کوشش کریں گے تو وہ اس کے دوسرے گوشوں سے نمودار ہو جائیں گے۔

دو ممکن صورتیں

ایک فلسفی کے لیے صحیح تصورِ حقیقت تک پہنچنے کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا تو اسے کائنات کے تمام حقائق علمی کی واقفیت فی الفور حاصل ہو جائے پھر وہ ان کی روشنی میں بآسانی دیکھ لے گا کہ کون سا تصورِ حقیقت ایسا ہے جو ان حقائق سے مطابقت رکھتا ہے اور ان کو منظّم کرتا ہے۔

اس صورت میں اس کو تصورِ حقیقت کی فطرت اور اوصاف کا صحیح اندازہ کرنے میں کوئی دِقت پیش نہیں آئے گی کیونکہ اگر وہ ان حقائق کے علم کے باوجود حقیقت کا کوئی ایسا تصور قائم کرے گا جو کسی پہلو سے تھوڑا سا بھی غلط ہوگا تو کئی علمی حقائق اس کی تردید کرنے کے لیے موجود ہوں گے لیکن یہ اُمید عبث ہے دنیا بھر کے حکما اور علما اس بات پر متفق ہیں کہ نوعِ انسانی کا علم تا قیامت بھی کائنات کے تمام علمی حقائق کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ خود قرآن حکیم نے اس حقیقت کی طرح اشارہ کیا ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا

کہیے اے پیغمبر! اگر سمندر کا پانی بھی میرے پروردگار کی قدرت کے نشانات کو لکھنے کے لیے بطور سیاہی کے ہو تو پانی نشانات کا ذکر ختم ہونے سے پہلے ختم ہوجائے گا خواہ ہم امداد کے طور پر اتنا ہی پانی اور شامل کردیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ فلسفی کو حقیقت کائنات کا صحیح تصور کہیں سے اتفاقاً دستیاب ہوجائے اور اس کا عشق اور وجدانی علم اسے یہاں تک حاصل ہوجائے کہ وہ اس کی روشنی میں ان تمام حقائق علمی کو صحیح طور پر دیکھ سکے اور سمجھ سکے جو آج تک دریافت ہوئے ہیں اور ان کو اس تصور کی بنیاد پر دوسرے تصورات کی دخل اندازی کے بغیر متحد اور منظّم کرسکے ایسی حالت میں اگرچہ اس کے پاس حقائق علمی کم تعداد میں ہوں گے تاہم حقیقت کائنات کے صحیح اور مکمل تصور کی روشنی میں وہ ٹھیک طرح سے ان کو سمجھ سکے گا اور بتا سکے گا کہ کیونکر وہ فقط اس تصور کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اس صورت میں اس کا نظامِ حکمت ناتمام تو ہوگا لیکن غلط نہیں ہوگا اور جوں جوں حقائق علمی دریافت ہوتے جائیں گے اس کے نظریہ کائنات میں اپنی جگہ پاتے جائیں گے اس طرح سے اس کا نظریہ کامل سے کامل تر ہوتا جائے گا اور یہ عمل تا قیامت جاری رہے گا جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں اس قسم کے فلسفہ کے وجود میں آنے کے بعد فلسفہ کی تمام حقیقی ترقیوں کا دارومدار نئے فلسفوں کے ظہور پر نہیں بلکہ اس فلسفہ کی زیادہ سے زیادہ ترقی اور تکمیل پر ہوگا لیکن اگر فلسفی کو حقیقت کائنات کا صحیح تصور کہیں سے دستیاب بھی ہوجائے اور وہ اس کے عشق اور وجدانی علم سے بہرہ ور بھی ہوجائے تو پھر بھی اس تصورِ حقیقت سے استفادہ کرنے اور اس کی بنا پر ایک صحیح نظامِ حکمت کی تعمیر کرنے کے

لیے یہ شرط ضروری ہوگی کہ اس کے زمانہ میں حقائق علمی یہاں تک ترقی کر چکے ہوں کہ وہ اتفاقی طور پر ہاتھ لگ جانے والے اس صحیح تصورِ حقیقت کے ساتھ ان حقائق کی مناسبت یا مطابقت بآسانی دیکھ سکے ورنہ اس تصور حقیقت کے ساتھ ان کو علمی اور عقلی طور پر وابستہ کرنے کا امکان نہ پائے گا اور کسی اور تصور حقیقت کی تلاش میں بدستور سرگرداں رہے گا اور وہ یہ سمجھتا رہے گا کہ علمی حقائق اس تصور حقیقت کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتے اور لہٰذا یہ تصورِ حقیقت شاید درست نہیں یا شاید اس کی بنا پر کوئی فلسفہ تعمیر نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ اس صورت میں کمی اس کے تصورِ حقیقت میں نہ ہوگی بلکہ ان حقائق علمی کی تعداد اور نوعیت میں ہوگی جو اس کے پیش نظر ہوں گے تاکہ فلسفی کا تصورِ حقیقت کائنات کے علمی حقائق سے بغل گیر ہو جائے ضروری ہوگا کہ کچھ تو اس کا تصور حقیقت زیادہ سے زیادہ صحیح اور کامل ہو کر ان حقائق کی طرف آگے بڑھے اور کچھ یہ حقائق ترقی کر کے اس کی طرف پیش قدمی کریں یہاں تک کہ اس کے ساتھ ان کے مجموعہ کی مناسبت آشکار ہو جائے۔

تصورِ حقیقت کے عشق کی ضرورت

یہاں شاید یہ سوال کیا جائے گا کہ یہ بات تو سمجھ میں آسکتی ہے کہ اپنے مقصد کو پانے کے لیے ایک فلسفی کو حقیقت وجود کے صحیح تصور سے واقف ہونا چاہیے لیکن ایسا کیوں ہے کہ اسے اس تصورِ حقیقت کے ساتھ عشق بھی ہونا چاہیے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اقبال کا یہ خیال قطعی طور پر درست ہے کہ علم کا سرچشمہ انسان کا وجدان ہے اور وجدان کا باعث ہماری آرزوئے حسن یا عشق ہے۔ صحیح تصورِ حقیقت کا کامل عشق ہی اس کا کامل وجدان یا کامل علم ہے۔ اتنا کامل علم جتنا کہ کسی شخص کی فطری استعداد علم اس کو کامل ہونے کی اجازت دے سکتی ہے:

زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعل راہ
کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحب اِدراک

سپاہ تازہ برانگیزم از ولایت عشق — کہ در حرم خطرے از بغاوتِ خرد است
زمانہ ہیچ نداند حقیقت اُو را — جنوں قباست کہ موزوں بقامت خرد است
بآن مقام رسیدم چو دربرش کردم — کہ طوف بام و درِ من سعادتِ خرد است

قدرت نے ہر انسان کو عشق کی ایک خاص استعداد بخشی ہے۔ یہ استعداد بالعموم افراد

کی ذہانت کی نسبت سے کم وبیش ہوتی ہے کوئی چاہے تو اسے غلط تصور حقیقت یا غلط محبوب کے لیے کام میں لائے اور کوئی چاہے تو اسے صحیح تصور حقیقت یا صحیح محبوب کے لیے استعمال کرے لیکن چونکہ استعداد ایک ہی ہے یہ بات ہر حالت میں درست رہے گی کہ جس حد تک وہ اسے غلط تصور حقیقت کے لیے کام میں لائے گا اس حد تک وہ صحیح تصور حقیقت کے لیے میسر نہ آ سکے گے۔ انگریزی زبان میں ایک مثل ہے کہ ہو نہیں سکتا کہ آپ کیک کھا بھی لیں اور کیک آپ کے پاس جوں کا توں موجود بھی رہے۔ اسی طرح سے ہو نہیں سکتا کہ آپ اپنی محبت کی استعداد کو کسی غلط تصور کے لیے استعمال بھی کر لیں اور پھر وہ صحیح تصور کے لیے بھی بچ رہے۔ جس نسبت سے ایک انسان کی محبت خدا کے لیے بڑھتی جاتی ہے اسی نسبت سے باطل تصورات کی محبت کم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ بالکل مٹ جاتی ہے اور اس مقام پر صحیح تصور حقیقت کی محبت اتنی کامل ہو جاتی ہے جتنی کہ انسان کی فطری استعداد اجازت دیتی ہو۔ لیکن یہ مقام ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ہے جن کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے کہ وہ حنیف یعنی یک بین و یک اندیش تھے اور ان کا ایمان شرک کے تمام شوائب سے پاک تھا۔ غیر اللہ کی محبت کی تمام قسموں کو دل سے نکال کر اس مقام کو پالینا بڑے مجاہدہ کے بعد ہی ممکن ہوتا ہے۔

؎ براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

اگر فلسفی کی ساری استعدادِ محبت جو اسے فطرت کی طرف سے ارزانی ہوئی ہے ابھی حقیقت وجود کے صحیح تصور کے لیے وقف نہ ہوئی ہو اور اس استعداد کا کچھ حصہ کسی غلط تصورِ حقیقت کے لیے بھی کام آ رہا ہو تو وہ لازماً حقائق عالم کو کسی قدر اس غلط محبت کی عینک سے دیکھے گا اور ان کی جو توجیہ کرے گا وہ کامل طور پر درست نہ ہو سکے گی یعنی وہ ان حقائق کو صحیح تصورِ حقیقت کے ساتھ ٹھیک طرح سے متعلق نہ کر سکے گا اور لہٰذا وہ ایسا فلسفہ پیدا کرے گا جو اسی نسبت سے غلط اور ناقص ہوگا جس نسبت سے اس کی محبت غلط اور ناقص ہوگی۔ صحیح تصورِ حقیقت کے کامل کے طور پر تربیت یافتہ روشن اور طاقتور وجدان سے مراد اس تصور کی ایک ایسی محبت ہے جو مجاہدہ اور ریاضت سے ترقی کر کے درجہ کمال پر پہنچائی گئی ہو۔ یہ محبت ایک روشنی ہے کیونکہ یہ غلط تصورات کی جہالتوں اور

تاریکیوں سے پاک ہوتی ہے اور صحیح اور غلط اور نیک و بد اور زشت و زیبا میں ٹھیک ٹھیک امتیاز کر سکتی ہے۔ پھر یہ محبت ایک طاقت ہے کیونکہ یہ غلط تصورات پر ان کی غیر معمولی قوت کے باوجود فتح پاتی ہے۔ صحیح تصور کے کامل عشق کے بغیر فلسفی کا علم ناقص رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کے نزدیک صحیح تصورِ حقیقت کا کامل عشق، صحیح فلسفہ کی تعمیر کے لیے ضروری ہے اس کے بغیر عطار یا رومی یا رازی یا غزالی ایسا ایک شخص بھی علم سے محروم رہتا ہے:

؎ عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

غلط فلسفہ بھی غلط محبت سے پیدا ہوتا ہے

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے کہ تصورِ حقیقت کا عشق صرف اس فلسفی کا ہی امتیاز نہیں ہوتا جو صحیح تصورِ حقیقت کو اپنے فلسفہ کی بنیاد بنا رہا ہو بلکہ استدلال کی ظاہری اور عارضی قوت جو ایک غلط فلسفہ کو حاصل ہوتی ہے وہ اس کے موجد کے اس عشق ہی کی وجہ ہوتی ہے جو اسے اپنے غلط تصورِ حقیقت سے ہوتا ہے۔ اس عشق کی وجہ سے وہ ان سچے حقائق سے آنکھیں بند کر لیتا ہے جو اس کے غلط تصور حقیقت سے مطابقت نہ رکھتے ہوں اور ان غلط حقائق کو صحیح سمجھ لیتا ہے جو اس کے غلط تصور حقیقت سے مطابقت رکھتے ہوں۔ مثلاً اگر کارل مارکس کو اپنے غلط تصور حقیقت سے عشق نہ ہوتا تو وہ ہرگز ایسا فلسفہ نہ لکھ سکتا جو قطعی طور پر غلط ہونے کے باوجود آج کروڑوں بندگانِ خدا کی زندگیوں کا مدار و محور بنا ہوا ہے۔

اب غور کیجیے کہ ایک طرف سے تو کائنات کا صحیح فلسفہ انسان کی شدید ترین نظری اور عملی ضروریات میں سے ہے اور دوسری طرف سے اس کے بہم پہنچنے کی راہ میں نا قابل عبور دشواریاں ہیں لیکن قدرت کا قاعدہ ہے کہ انسان کی ہر شدید قدرتی ضرورت کی تشفی کے لیے وہ اپنا انتظام کرتی ہے اور اس التزام کی بنیاد بآسانی سمجھ میں آ سکتی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر قدرت ایسا نہ کرے تو کائنات میں اس کے مقاصد کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ جس طرح سے قدرت ہماری شدید بدنی ضروریات کی تکمیل کے لیے بادل، ہوا، سورج، چاند، زمین اور آسمان ایسی قوتوں کو کارفرما کرتی ہے اسی طرح سے وہ ہماری شدید روحانی ضروریات کی تشفی کے لیے انبیاء

کا سلسلہ قائم کرتی ہے۔

اس کتاب میں آگے چل کر اقبال کے نظریۂ نبوت کی پوری تشریح کی جائے گی۔ یہاں صرف یہ گزارش کرنا مقصود ہے کہ حضرت انسان کے لیے ہر نبی کا سب سے پہلا اور سب سے آخری اور سب سے زیادہ قیمتی تحفہ حقیقتِ کائنات کا صحیح تصور ہوتا ہے اسی تصور کو ہم خدا کا تصور کہتے ہیں۔ اس تصور کی پوری حقیقت اس کے عملی اطلاق سے ہی سمجھ میں آتی ہے اور اس کا عملی اطلاق، جس کا ظہور سب سے پہلے نبی کی عملی زندگی کی مثال میں ہوتا ہے، اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ انسان کی سماجی زندگی ارتقا کر کے ایک خاص مقام تک نہ پہنچ جائے جہاں اس کے تمام ضروری اور قدرتی پہلو مثلاً سیاست، جنگ، معاشیات، قانون، معاملات وغیرہ پوری طرح سے نمایاں ہوں جونہی کہ انسانی سماج کا ارتقا اس مرحلہ پر پہنچتا ہے اس میں ایک ایسا نبی پیدا ہوتا ہے جو اپنی عملی زندگی کی مثال کے ذریعہ سے انسان کی عملی زندگی کے ان تمام ضروری شعبوں پر خدا کے تصور کا اطلاق کرتا ہے اور اس اطلاق کے ذریعہ سے خدا کے تصور کی صفات کے نظری اور عملی پہلوؤں کو آشکار کرتا ہے۔ وہ گویا پہلا شخص ہوتا ہے جو نوعِ بشر کو حقیقت کائنات کا ایسا کامل تصور عطا کرتا ہے جو ایک کامل اور صحیح فلسفہ کی بنیاد بن سکتا ہے اور بنتا ہے۔ اس نبی کے ظہور کے بعد نبوت کا اختتام ایک قدرتی بات ہے کیونکہ اس کے بعد انسان کے لیے کوئی مشکل باقی نہیں رہتی کہ وہ اپنی عملی زندگی کو ہر قسم کی درستی اور ثروت کے اعتبار سے نقطۂ کمال پر پہنچا سکے اور وہ خاتم الانبیاء جنہوں نے نوعِ انسانی کو حقیقت کائنات کا کامل تصور عطا کیا ہے جناب محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ وہ فلسفی جس نے علمی حقائق کی ترقیوں کے اس دور میں سب سے پہلے اپنے فلسفہ کی بنیاد نبوت کاملہ کے عطا کیے ہوئے کامل تصورِ حقیقت پر رکھی ہے اقبال ہے اور وہ فلسفہ جو اس دور کے علمی حقائق کو نبوت کے عطا کیے ہوئے کامل تصورِ حقیقت کی بنیادوں پر منظم کرتا ہے فلسفۂ خودی ہے۔ اقبال نے یہ دیکھ لیا ہے کہ یہی وہ تصور حقیقت ہے جو صحیح ہے اور جو تمام حقائق کائنات کو منظم کر کے ایک وحدت بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال بار بار کہتا ہے کہ وہ فلسفہ جو نبوتِ کاملہ کے عطا کیے ہوئے تصور حقیقت پر مبنی نہ ہو بلکہ حقیقت کے کسی ایسے تصور پر مبنی ہو جو کسی فلسفی نے حقائق عالم کی ناتمام معرفت کی بنا پر نبوت کی مدد کے بغیر خود بخود قائم کر لیا ہو بیکار اور غلط ہے اور تمام فلسفے جو آج تک وجود میں آئے ہیں

ایسے ہی ہیں۔صرف خدا کا عشق ہی صحیح فلسفہ کی بنیاد بن سکتا ہے اور اس عشق کا منبع رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ ؎ نہ فلسفی سے ، نہ مُلا سے ہے غرض مجھ کو
یہ دل کی موت ، وہ اندیشہ و نظر کا فساد

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا زناری برگساں نہ ہوتا
ہیگل کا صدف گہر سے خالی ہے اس کا طلسم سب خیالی
انجام خرد ہے بے حضوری ہے فلسفہ زندگی سے دوری
دل در سخن محمدی بند اے پور علی زبو علی چند

ہیگل کے فلسفہ پر اقبال نے جو تحقیر آمیز تنقید کی ہے وہ دراصل اس کے نزدیک ہر غیر قرآنی فلسفہ پر صادق آتی ہے۔

؎ حکمتش معقول و بامحسوس در خلوت نہ رفت
گرچہ بکرِ فکرِ او پیرایہ پوشد چوں عروس
طائرِ عقلِ فلک پروازِ او دانی کہ چیست؟
ماکیاں کز زورِ مستی خایہ گیرد بے خروس

سچا تصورِ حقیقت فقط خدا کا تصور ہے جو زندہ اور حی و قیوم ہے۔ باقی تمام تصوراتِ حقیقت مردہ ہیں اور مردہ کی تصویر کشی بھی جو فلسفہ کی صورت اختیار کرتی ہے مردہ ہی ہوتی ہے۔ اگر آج اسے زندہ سمجھا جا رہا ہو تو یوں سمجھئے کہ وہ نزع کی حالت میں گرفتار ہے اُسے آج نہیں تو کل مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا جائے گا۔ ؎ یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار
جو فلسفہ لکھا نہ گیا خونِ جگر سے

☆☆☆

؎ بلند بال تھا ، لیکن نہ تھا جسور و غیور
حکیم سرّ محبت سے بے نصیب رہا
پھرا فضاؤں میں کرگس اگرچہ شاہیں وار
شکار زندہ کی لذت سے بے نصیب رہا

؎ حکیماں مُردہ را صورت نگار اند!
ید موسیٰؑ دمِ عیسیٰؑ ندارند
دریں حکمت دلم چیزے نہ دید است
برائے حکمتِ دیگر تپید است

ظاہر ہے کہ حکمت دیگر سے اقبال کی مراد وہ حکمت ہے جو زندہ خدا کو حقیقت کائنات مانتی ہو۔ خدا ہی وہ تصور حقیقت ہے جو سچے عشق کا منبع ہے اور جس کی فلسفی کو ضرورت ہے۔ اسی عشق سے کائنات کے راز ہائے سربستہ منکشف ہوتے ہیں۔ یہی وہ خونِ جگر ہے جس سے فلسفہ کو لکھا جاتا ہے تو پھر نہ حالت نزع میں گرفتار ہوتا ہے اور نہ مرتا ہے اور خدا کا عشق خدا کے رسول کے عشق کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا: ؎ مے ندانی عشق و مست از کجا ست
ایں شعاع آفتابِ مصطفیٰؐ ست

عقل تصورِ حقیقت کے تابع رہتی ہے اور اس کی راہیں اتنی ہی ہیں جتنے کہ حقیقت کے تصورات موجود ہیں۔ لہٰذا اقبال نے عقل کو ''عقل ہزار حیلہ'' کہا ہے سچے فلسفہ کا دارومدار محض عقل پر نہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ خدا کا سچا عشق عقل کی راہ نمائی کرے۔ سچے عشق کا راستہ فقط ایک ہے اور وہی انسان کی صحیح منزل کی طرف جاتا ہے لیکن عقل کے راستے ہزاروں ہیں۔

؎ نشانِ رہ ز عقل ہزار حیلہ مپرس
بیا کہ عشق کمالے ز یک فنی دارد!

اسی طرح سے وہ علم شیطانی ہے جو خدا کے سچے عشق سے راہ نمائی نہیں پاتا۔ ایسا علم صحیح فلسفہ کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ لیکن وہ علم جو خدا کی محبت کے ماتحت وجود میں آئے پاکیزہ اور صحیح ہوتا ہے اور صحیح فلسفے کی بنیاد بن سکتا ہے۔ ؎ علم بے عشق است از طاغوتیاں
علم باعشق است از لاہوتیاں

نقشے کہ بستہ ہمہ اوہام باطل است عقلے بہم رساں کہ ادب خوردۂ دل است

****

بے محبت علم و حکمت مردہ عقل تیرے بر ہدف نا خوردہ

****

(باقی برصفحہ 43)

چینی سنکیانگ
جو کبھی اسلامی مشرقی ترکستان ہوتا تھا!

رضی الدین سیّد
مصنف ومترجم، کراچی

سال 2009ء میں بیجنگ اولمپکس کھیلوں کے ابتدائی ایام میں چین کی بعض تنظیمیں حکومت کے خلاف بعض امور پر احتجاجی مظاہرے کر رہی تھیں جن کا چرچا عالمی میڈیا میں دیر تک ہوتا رہا۔ ان مظاہرین میں عام طور پر تبّت کے باشندے شامل تھے جن کے مطابق چین نے ان کے علاقے پر زبردستی قبضہ کیا ہوا تھا۔ یا پھر معروف چینی تنظیم ''فالان گونگ'' کے کارکنان تھے جنہیں چین میں خلافِ قانون قرار دے دیا گیا ہے۔

لیکن اُنہی دنوں چین میں کچھ اور افراد بھی احتجاجی مظاہرے کر رہے تھے جن کے مقاصد مذکورہ بالا تنظیموں سے بالکل مختلف تھے۔ بدقسمتی سے میڈیا میں ان مظاہرین کا ذکر نہ ہونے کے برابر کیا گیا، اور جو کچھ کیا گیا، وہ بھی ان پر ''دہشت گرد'' ہونے کا لیبل لگا کر کیا گیا۔ ان مظاہرین میں سے بیشتر کو یا تو گرفتار کرلیا گیا تھا یا انہیں سزائے موت سنادی گئی تھی۔ مظاہرین اصل میں چین کے عظیم صوبے ''سنکیانگ'' (Xinjiang) یا 'ژونگ جیانگ' کے باشندے تھے جو چین کا واحد مسلم صوبہ ہے جسے چین میں شمولیت سے پہلے سینکڑوں سالوں تک ''مشرقی ترکستان'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ صوبہ جو عظیم دیوارِ چین سے متصل شاہراہِ ریشم پر کشمیر کے ساتھ واقع ہے، دسویں صدی عیسوی کے وسط میں اسلام سے آشنا ہوا تھا۔

سنکیانگ کے باشندوں نے جو ''یوغیر'' کہلاتے ہیں، 1759ء تک اپنے خطے پر ایک

آزاد اور خود مختار ملک کی حیثیت سے حکمرانی کی تھی۔ بعد ازاں اس ملک پر معروف چینی حکمرانوں، مانچو خاندان، نے حملہ کیا اور اپنی حکمرانی قائم کر لی جو 1864ء تک برقرار رہی۔ 105 سالہ اس عہد کے دوران ''یوغیر آبادی'' نے کم از کم 42 بار بغاوت کی۔ حتیٰ کہ اپنے ملک ''مشرقی ترکستان'' سے مانچو خاندان کو نکال باہر کیا، اور ایک معزز فرد یعقوب بیگ کی سربراہی میں ایک بار پھر خود مختار حکومت قائم کی۔ یہ ایک ایسی حکومت تھی جسے اس وقت کی عثمانی خلافت نے بھی سند قبولیت عطا کی تھی، جبکہ برطانیہ اور روس کے زاروں نے بھی اسے تسلیم کر لیا تھا۔ یہی وہ خطہ ہے جسے کبھی ''کاشغر'' کے تاریخی نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ علامہ اقبال کے مندرجہ ذیل شعر میں ہم نے ''کاشغر'' کا نام بے دھیانی میں کئی بار دہرایا ہوگا

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاکِ 'کاشغر'

تو کاشغر اسی مسلم مملکت کا ایک حصہ تھا۔ ''اُرمچی'' جو چین کا ایک معروف شہر ہے، وہ بھی اسی سنکیانگ صوبے کا دارالحکومت ہے۔ تاہم اپنی دوبارہ آزادی کے محض 13 سال بعد 1876ء میں مانچو چینی حکومت نے نئے فوجی حملے کے بعد اس ملک کو ایک بار پھر اپنے قبضے میں لے لیا اور مشرقی ترکستان کو ''سنکیانگ'' کا نیا نام دے دیا۔

تاہم اس بار بھی ''یوشغر'' تحریکوں نے مانچو قبضے کے خلاف بغاوتیں جاری رکھیں۔ آخری بار 1944ء میں وہاں ایک بار پھر ''جمہوریہ مشرقی ترکستان'' نامی ریاست قائم ہوگئی۔ 1949ء میں جب چین میں کمیونسٹ پارٹی کا دور دورہ شروع ہوا تو اس کے بعد اس ریاست کے خلاف ایک بار پھر متشدّدانہ کارروائیاں شروع ہوگئیں۔ 1950ء میں چینی کمیونسٹ پارٹی نے ریاست کو اپنے قبضے میں لے کر اسے مملکت چین کا حصہ قرار دے دیا اور مختلف چینی خاندانوں کو آباد کرنے کا سلسلہ شروع کیا تاکہ خطے پر مکمل چینی و آہنی گرفت حاصل کی جاسکے۔ چنانچہ مختلف چینی خاندانوں کو سنکیانگ میں آباد کرنے کے باعث حال اب یہ ہوگیا ہے کہ 1949ء کی محض چھ فیصد غیر مسلم چینی آبادی کا تناسب بڑھ کر 2009ء میں چالیس فیصد تک پہنچ گیا ہے۔ سادہ سے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ دو کروڑ کی کل آبادی میں سے اس صوبے میں غیر مسلم چینی آبادی

کی تعداد اب 80 لاکھ سے بھی زائد ہوگئی ہے۔

اگرچہ مسلم افراد چین کے دیگر صوبوں میں بھی پھیلے ہوئے ہیں لیکن اکثریتی مسلم آبادی کے لحاظ سے سنکیانگ ہی واحد مسلم اکثریتی چینی صوبہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ سنکیانگ اور تبت ہی وہ دو صوبے ہیں، پورے چین کے مقابلے میں جہاں مقامی چینی آبادی اقلیت میں پائی جاتی ہے۔ چین کے لیے اس صوبے کی بڑی اہمیت ہے۔ ملک کے تمام ایٹمی دھماکے اسی صوبے میں کیے گئے تھے اور خطے کے قدرتی وسائل کا بڑا حصہ بھی سنکیانگ ہی میں پایا جاتا ہے جس میں کوئلے کے ذخائر کا تناسب پورے ملک کے لحاظ سے 38 فیصد، اور پٹرول و قدرتی گیس کے ذخائر کا تناسب 25 فیصد ہے جو ایک بہت بڑی شرح ہے۔ اس کی وجہ سے صوبے میں قدرتی طور پر معاشی خوشحالی بھی در آئی ہے۔ لیکن حیرت انگیز طور پر اس کا بیشتر فائدہ باہر سے آئے ہوئے محض چینی غیر مسلم افراد کو پہنچا ہے۔

چین میں تبتی افراد کا آج جو حال پایا جاتا ہے، ''یوغیر'' مسلم افراد بھی خود کو اسی کے مشابہ پاتے ہیں۔ تبتیوں کی طرح ''یوغیریوں'' نے بھی عشروں پر محیط چینی حکومت کے جبر و ستم کو سہا ہے۔ انہیں نہ تو وہاں بنیادی شہری حقوق دیے گئے ہیں اور نہ کسی قسم کی سیاسی و مذہبی آزادی انہیں حاصل رہی ہے۔ جب بھی یہاں آزادی کی کوئی تحریک چلی، تو سابقہ و موجودہ چینی حکومتوں نے اسے بری طرح کچل دیا۔ یہ حکومتیں ہمیشہ اس بات کی خواہشمند رہی ہیں کہ یوغیری باشندوں سے اپنی قومی و مذہبی شناخت ختم کروادیں۔ چونکہ اسلامی تحریکوں کو اسلام کے باعث ہمیشہ جذبہ ملتا رہا ہے، اس لیے حکومت کی کوشش رہی ہے کہ اسلام کا کوئی ہلکا سا غیر ضرر رساں اظہار بھی صوبے میں نہ ہونے پائے!۔

وہ امور جن کا انجام دینا سنکیانگ کے مسلمانوں کو چینی حکومت کی جانب سے ممنوع قرار دیا گیا ہے، ان میں مذہبی کتابوں کا مطالعہ، سرکاری تعلیمی اداروں میں اسلامی لباس کا استعمال اور متفرق مذہبی تقریبات کا انعقاد، شامل ہیں۔ صوبے میں یہ ہدایات بھی چینی حکومت ہی جاری کرتی ہے کہ مساجد کا امام کون ہوگا؟ اور قرآن کا کون سا نسخہ اس کے لیے قابل قبول ٹھہرے گا؟ وغیرہ۔ حال ہی میں متعارف کئے گئے ضوابط کے تحت اٹھارہ سال سے کم عمر لڑکوں پر نماز پڑھنے،

اساتذہ کو داڑھیاں رکھنے اور طلبہ وطالبات پر جامعات میں قرآن پاک لانے کی پابندیاں لگائی گئی ہیں۔ جون 2014ء میں ایک مقامی عدالت نے پانچ اماموں کو اس بنیاد پر سات سال قید کی سزا سنائی تھی کہ انہوں نے مسلم حاجیوں کے سفرِ سعودی عرب کے سلسلے میں انتظامات میں حصہ لیا تھا۔ ان پر یہ بھی الزام عائد کیا گیا تھا کہ سزا سنائے جانے کے ایک سرکاری اجتماع میں انہوں نے ملزموں کو قرآنِ پاک کے نسخے بھی فراہم کیے تھے۔

اکتوبر 2014ء میں چین کی حکومت نے مزید اقدامات کئے ہیں۔ سنکیانگ کے اسکولوں میں بچوں کو مذہبی رجحانات سے دور رکھا جائے گا اور نہ تو اسکول میں اور نہ گھر میں مذہبی روایات پر عمل کرنے دیا جائے گا۔ (جنگ کراچی۔۲۰۱۴۔۱۰۔۳۰)

''یوغیری'' افراد چین کی وہ واحد قومیت ہیں جنہیں سیاسی خلاف ورزیوں پر پابندی کے ساتھ سزائیں سنائی جاتی ہیں۔ امریکہ کی جاری کردہ ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کو دوسرے ممالک کی طرح چین نے بھی اپنالیا ہے، اور مسلمانوں کو دبانے اور خاموش کرنے کے لیے، اسے ایک حربے کے طور پر اختیار کیا ہے۔ حتیٰ کہ جو نوجوان اپنے حقوق کے لیے خاموش احتجاج بھی کرتے ہیں، انہیں بھی ''دہشت گردوں'' کے زُمرے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ محض اس بنیاد پر بھی انہیں قید و بند کی سزائیں سنائی جاتی ہیں کہ انہوں نے آزادی سے متعلق اخبارات کی خبریں پڑھی اور سنائی تھیں۔ دوسری طرف بعض افراد کو چین نے محض اس لیے سزا دی تھی کہ انہوں نے ''ریڈیو آزاد ایشیا'' سننے کا جرم کیا تھا۔ یہ ایک ایسا چینل ہے جو امریکہ اپنے طور پر انگریزی زبان میں دنیا کے لیے جاری رکھتا ہے۔ وہاں حالات اتنے نازک ہیں کہ مسلم طلبہ کی کسی بھی حرکت کو حکومتِ چین ناپسندیدہ قرار دے کر تشدد اور قید کی بنیاد بنا دیتی ہے۔

جون 2009ء میں چینی حکام نے ضلع ''کالپن'' (سنکیانگ) کی ایک قدیم مسجد کو اس الزام کے تحت زمین بوس کر دیا تھا کہ وہاں ناجائز انداز سے تزئین و مرمت کی جارہی تھی۔ نیز یہ کہ وہاں غیر منظور شدہ مذہبی سرگرمیاں انجام دی جارہی تھیں اور قرآن پاک کے نسخوں کا ڈھیر لگایا جارہا تھا۔ چینی مسلمانوں پر برسوں سے ڈھائے جانے والے یہ مظالم وہاں کی کمیونسٹ گرفت کے باعث باہر کی آزاد دنیا میں نہیں آنے پاتے۔ اسی لیے آج خود آزاد مسلم برادران بھی اپنے ہم

مذہب ترک چینی بھائیوں کے حالات سے مطلق واقف نہیں ہیں۔

واضح رہے کہ دنیا میں ترکوں کی اکثریت ترکی کی حدود سے باہر ہی پائی جاتی ہے۔ وسط یورپ سے لے کر وسط ایشیا کے مشرقی کناروں تک جو وسیع وعریض خطّہ پایا جاتا ہے، ترکوں نے اسے اپنا مقدس خون دے کر اسلامی وطن میں تبدیل کیا تھا۔ مشرقی ترکستان کی کل آبادی مختلف ترک قبائل پر مشتمل ہے جن میں سب سے بڑا قبیلہ ''یوغور'' ہے۔ کاشغر کے علاوہ ''خُتن'' کا معروف علاقہ بھی اسی خطے میں پایا جاتا ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہاں کے ''ہرن'' بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔ ترک قوم یہاں قبل از اسلام سے پائی جاتی ہے لیکن اس نے اسلام اس وقت قبول کیا تھا جب ایک اموی سپہ سالار ''قُتیبہ'' 86ھ میں یہاں داخل ہوئے تھے۔ معروف مغربی مصنف پیٹر فلیمنگ نے گذشتہ صفحات پر ذکر کیے گئے چینی مانچو خاندان کے بارے میں لکھا ہے کہ اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں مشرقی ترکستان میں دس لاکھ افراد قتل کیے گئے تھے۔ (کتاب NEWS FROM TARTARY، لندن ۱۹۳۶ء۔ بحوالہ ڈان۔ کراچی)۔ اسی طرح جب چینی حکومت نے انیسویں صدی کے آخر میں مشرقی ترکستان پر جبراً قبضہ کیا تھا تو اس نے ہزاروں ترکوں کو قتل کروایا اور مسلم سربراہ ''یعقوب بیگ'' کی نعش کو قبر سے نکال کر جلایا تھا۔

ترک اور ترکستان کے الفاظ کا استعمال کرنا، اور ترکی یا دیگر اسلامی ممالک سے اسلامی لٹریچر یا مقامی اخبارات کا منگانا بھی وہاں اسی دور میں ممنوع قرار دے دیا گیا تھا تاکہ مسلم عوام کو ان کی شاندار تاریخ سے کاٹ دیا جائے اور دنیا کے دیگر خطّوں میں پھیلے ہوئے اپنے ہم مذہب بھائیوں سے لاتعلق کر دیا جائے۔ اسی طرح وہاں کے سرکاری محلات، دفاتر، مساجد، کتب خانے اور حمام سب کے سب نیست ونابود کر کے ان کی جگہ چینی طرز کی عمارتیں، قلعے اور بت خانے قائم کیے گئے۔ ترکوں پر پابندی عائد کی گئی کہ گھروں سے باہر وہ صرف چینی لباس پہنیں اور سوّر کا گوشت کھائیں۔ اخلاقیات پر کاری وار کرنے کی خاطر ان کے علاقوں میں جگہ جگہ شراب خانے اور افیون خانے بھی قائم کیے گئے۔

''مانچو خاندان'' کے بعد جب چین پر اشتراکیت کا کامل غلبہ ہوا تو ان کے سرخ حکام نے سنکیانگ کے مسلم باشندوں پر ظلم وتشدد مزید تیز کر دیا۔ انہوں نے سینماؤں میں ایسی فلمیں

دکھانی شروع کیں جن میں مذہب کو نعوذ باللہ مکروہ شکل میں پیش کیا گیا تھا۔ بعض مساجد میں ایک گوشہ ''ماؤزے تنگ'' کے نام سے بھی کھولا گیا جہاں ان کا مجسمہ رکھا جاتا تھا۔ ایسے پوسٹر چسپاں کئے جاتے تھے جن کی عبارتیں ان الفاظ پر مشتمل ہوتی تھیں۔ ''مذہب افیون ہے، اسلام سامراج کی خدمت کرتا اور دولت مند عربوں کی ایجاد ہے۔ کمیونزم کے لیے ضروری ہے کہ وہ دین کے خلاف جنگ کرے''۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ لوگ کس حد تک مذہب کے عادی ہیں، رمضان کے مہینے میں دوپہر کے وقت لوگوں کو کھانے پر مدعو کیا جاتا تھا اور جو لوگ شریک ہونے سے باز رہتے تھے، انہیں پکڑ کر سزائیں دی جاتی تھیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ انہی ماؤزے تنگ کو اب چین میں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ اب وہاں اقرار کیا جارہا ہے کہ ماؤ نے لاتعداد خواتین کی عصمت دری کی تھی اور ہزاروں ہزار افراد کو ہلاک کیا تھا۔

لوس اینجلس ٹائمز اور واشنگٹن پوسٹ امریکہ نے سنکیانگ کی 2009ء کی اپنی اشاعتوں میں بیان کرتے ہوئے بتایا تھا کہ وہاں پُرتشدّد مظاہرے مسلسل جاری ہیں جن کی زد میں چینی پولیس کے افراد آرہے ہیں۔ ان اخبارات کے مطابق اس مسلم صوبے میں چین نے ہزاروں کی تعداد میں پولیس والوں کو تعینات کر رکھا ہے جن کے وہاں اب مستقل رہنے کے بھی امکانات پائے جاتے ہیں۔ یوغیر کے ایک بیرونی گروپ نے مذکورہ اخباروں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ حکومت چین کی جبر کی پالیسی کے باعث صوبے کے حالات تشویشناک حد تک خراب ہوگئے ہیں۔ اخبارات نے بیرونِ ملک پناہ گزین ایک چینی مسلم کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ وہ بہت طویل مدت سے اپنی ماں کی خیریت معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن فون پر ماں نے بس ہیلو کر کے ''میں ٹھیک ہوں'' کہا اور فون بند کر دیا۔ ایسا رویہ اس نے انجانے خوف کے تحت اپنایا تھا۔ (روزنامہ ڈان۔ ۱۲ستمبر ۲۰۰۹)

یوغیری مسلمانوں پر بے رحمانہ تشدد و بربریت کو دنیا پر واشگاف کرنے اور اپنے جائز انسانی حقوق کے لیے قزاقستان کے شہر الماتے میں جولائی 2009ء میں بھی ان کے بھائی بندوں نے زبردست مظاہرے کیے تھے۔ اسی اخبار کی 20-09-2009 کی ایک رپورٹ کے مطابق الماتے میں 5000 یوغیریوں نے جن میں مرد اور عورتیں دونوں شامل تھے، ایک بڑے ہال میں

زبردست احتجاجی مظاہرہ کیا تھا۔ اپنے ہاتھوں کو وہ فضا میں لہرا رہے تھے جن میں سفید ہلال والے نیلے پرچم تھے یہ پرچم سنکیانگ کی تحریک آزادی کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ وہ بار بار نعرے لگا رہے تھے کہ ''یوغیرستان کو آزادی دو''۔ 'عالمی یوغیر کانگریس' کے وائس سیکرٹری جنرل نے پریس سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ ''اُرمچی میں ہمارے مسلم بھائیوں پر خونی حملے کیے گئے ہیں، اس لیے اس معاملے میں ہم ہرگز خاموش نہیں بیٹھیں گے''۔ واضح رہے کہ قزاقستان میں چین سے نکالے گئے مسلمانوں کی ایک بہت بھاری تعداد آباد ہے۔ اوآئی سی نے بھی کسی نہ کسی طرح بالآخر چین کے وحشیانہ تشدّد کی پرزور مذمت کردی تھی۔ دوسری طرف حکومتِ چین نے جولائی ہی میں مزید ہنگاموں کے پیش نظر جمعے کی نماز کے علاوہ عام نمازوں پر بھی پابندی لگادی تھی۔ ایک اور خبر کے مطابق اسی صوبے کی علاقائی حکومت نے 10 لاکھ مسلمانوں کے لئے ایک حراستی مرکز قائم کیا ہے جہاں سے ان مسلمانوں کی نگرانی کی جاتی رہے گی۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۲۰۰۹۔۷۔۱۱۔ اور ۲۰۱۸۔۱۰۔۱۲)۔ واضح رہے کہ ایسے ریاستی جبر وتشدد کی خبریں ہمیں ہر آئے روز ملتی رہتی ہیں، ختم ہونے میں نہیں آتیں!

مشرقی ترکستان جو کبھی ایک اسلامی ریاست ہوتا تھا، جہاں کبھی علم وتہذیب کے بڑے سرچشمے پائے جاتے تھے اور جہاں کبھی اسلامی شریعت پر خود حکومت کی جانب سے عمل درآمد ہوتا تھا، وہ آج ایک گُھٹا ہوا، غریب، پس ماندہ، اور آہنی شکنجوں تلے دبا ہوا خطہ بنا ہوا ہے جس کے بارے میں نہ تو آج کے جدید جمہوری وروشن خیال مغربیوں کو کوئی فکر ہے اور نہ ڈیڑھ ارب سے زیادہ کی آبادی اور ہر طرح کے وسائل رکھنے والے مسلمانوں کا کوئی آواز اٹھانے والا ہے۔ حتیٰ کہ افسوسناک طور پر ہمارے ہاں کے دینی جرائد واخبارات میں بھی ان کا بائیکاٹ کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کاشغر (چینی ترکستان) کو سپہ سالار قُتیبہ نے 715 عیسوی میں فتح کرلیا تھا۔ خلیفہ ہشام (بنواُمیہ) نے بعد میں 743-724ء میں اپنے گورنر نصر ابن سیار کے ذریعے اس علاقے پر قبضہ مزید مستحکم کرلیا۔ بعدازاں 751ء میں عربوں نے روس میں تاشقند کو بھی زیرنگیں کرلیا تھا، اور انیسویں صدی کے اختتام تک یہ علاقہ مسلم حکومتوں ہی میں شامل رہا تھا۔ سنکیانگ کا موجودہ چینی مسلم صوبہ کبھی ایک باقاعدہ مسلم حکومت ہوا کرتی تھی جہاں شریعت کا نفاذ

تھا۔اسے تب ''مسلم ترکستان'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔اتفاق سے انہی لیڈر ماؤزے تنگ پر، جن کے نام پر کبھی چین فدا ہوتا تھا، اب بے شمار الزامات عائد کیے جارہے ہیں۔کہا جارہا ہے کہ اس نے لاتعداد چینی خواتین کی عصمت دری کی تھی اور ہزاروں ہزار بے گناہ چینیوں کو بلاوجہ ہلاک کیا تھا۔ماؤزے تنگ کا فلسفہء انقلاب اب ہوا میں بکھر کر رہ گیا ہے۔تاہم یوغور مسلمانوں کی نسل کشی آج بھی اسی رفتار سے جاری ہے!

اسی صوبے سنکیانگ کے بارے میں علامہ اقبال کے دستِ راست اور محقق سیّد نذیر نیازی اپنی کتاب ''اقبال کے حضور'' (حصہ اوّل) میں حاشیہ جاتی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''مسلمان یہاں طویل عرصے تک حکومت کرتے رہے تا آنکہ آپس کی خانہ جنگی میں ایک فریق نے چین سے امداد طلب کرلی۔یہ 1758ء کا واقعہ ہے جب ایک چینی لشکر ''زنگیریا'' میں داخل ہوا اور آتے ہی قتل وغارت گری شروع کردی۔مجبوراً اہل ''زنگیریا'' نے چین کی اطاعت قبول کرلی۔ رفتہ رفتہ 'خطا وختن' اور 'یارقند' بھی اس کے قبضے میں آگئے اور سارے ملک میں جبر وقہر کا ایک ایسا دور شروع ہوا جس سے تنگ آکر کچھ لوگوں نے ترکِ وطن، اور کچھ لوگوں نے چین کے خلاف جنگی کارروائی شروع کردی۔اوّل 1827ء، اور پھر 1849ء میں!۔لیکن ناکام رہے۔اس پر آبادی کا ایک حصہ مغربی ترکستان (یعنی موجودہ ترکی ۔سیّد) میں ہجرت کرگیا۔'' نذیر نیازی لکھتے ہیں ''یعقوب خان نے چینیوں کے خلاف کامیابی سے جنگ کی، اور ایک صدی کی غلامی کے بعد چینی ترکستان ایک بار پھر آزاد ہوگیا۔لیکن 1864ء میں چینی پھر اس پر قابض ہوگئے۔اب ایک طرف روس اور دوسری جانب چین کا زور بڑھنے لگا حتیٰ کہ یہ اسلامی خطہ، سنکیانگ کے نام سے چینی سلطنت کا ایک جزولاینفک بن گیا 'خالد شلڈرک' نے 'اسلامستان' کے نام سے ایک آزاد حکومت کے قیام کا اعلان کیا تھا لیکن وہ ایک بے سروپا سی بات تھی کہ ادھر سننے میں آئی اور ادھر ختم ہوگئی۔ 33-1932ء میں البتہ چینی حکومت کے خلاف ایک مسلمان سردار لشکر نے خروج کیا مگر ناکام رہا۔ یہ سردارِ لشکر بڑا کم سن تھا اور اس کا نام بھی چینی تھا۔شخصیت اس کی بڑی پراسرار تھی اور اس کی کارروائیوں سے حکومت بھی دیر تک پریشان رہی۔'' (کتاب اقبال کے حضور۔سید نذیر نیازی۔ ص:۱۴۰)۔روزنامہ جنگ کراچی لکھتا ہے کہ اس وقت (2014ء میں) بھی 'گوانتاناموٗ میں چینی

یغور مسلمان قیدیوں کی ایک بڑی تعداد قید و جبر کی سزائیں بھگت رہی ہے۔(مورخہ ۲۰۱۴۔۱۔۱۲)

اس ضمن میں علامہ اقبال کا مزید بیان ہے کہ ''پچھلی صدی میں تو چینی ترکوں نے اپنی ریاست (بھی) قائم کر لی تھی ،مگر انگریزوں نے انہیں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ علامہ کے اس بیان کی وضاحت میں، ان کے ہمراز و دوست اور ادیب سید نذیر نیازی لکھتے ہیں کہ مشرقی یا چینی ترکستان اسلامی خطہ ہے جہاں صدیوں سے مسلمان برسر اقتدار رہے''۔

حوالہ جات

(۱) ماہنامہ کریسنٹ انٹرنیشنل کینیڈا۔اگست ۲۰۰۸ء واگست ۲۰۰۹ء

(۲) روزنامہ ڈان کراچی۔۳۱۔اگست ۲۰۰۸، ۱۲ستمبر ۲۰۰۹۔ (۳) روزنامہ جنگ کراچی

(۴) کتاب ''مشرقی ترکستان''۔عیسیٰ یوسف الپتگن۔ترجمہ ثروت صولت، اسلامک پبلی کیشنز لاہور۔

(۵) اقبال کے حضور، سیّد نذیر نیازی، اقبال اکیڈمی، کراچی

بقیہ از حکمتِ اقبال پر ایک عمومی نظر

بچشم عشق نگر تا سراغ او بینی جہاں بچشم خرد سیمیا و نیرنگ است

****

وہ علم کم بصری جس میں ہم کنار نہیں تجلیاتِ کلیم و مشاہداتِ حکیم

****

نقطہ ادوار عالم لا اِلٰہ منتہائے کار عالم لا اِلٰہ

لا و اِلا احتسابِ کائنات لا و اِلا فتح باب کائنات

****

حریف نکتہ توحید ہو سکا نہ حکیم نگاہ چاہیے اسرار لا الہ کے لیے

****

فلسفی را با سیاستدان بیک میزان مسنج چشم آں خورشید کورے دیدۂ آں بے نے

ایں تراشد قول حق را حجتے نا استوار آں بیارد قول باطل را دلیلے محکمے

(جاری ہے)

احتیاط! کوئی دیکھ نہ لے، کوئی سُن نہ لے!!

عبد الرشید ارشد

روزمرّہ عملی زندگی میں کم وبیش ہر فرد کا مشاہدہ ہے کہ دو مرد یا دو عورتیں باہم ''خصوصی'' گفتگو سے پہلے اس احتیاط کو ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کے درمیان ہونے والا مکالمہ کوئی دوسرا سُن نہ لے اور کانا پھوسی دیکھ نہ لے۔ یہ رازدارانہ انداز میں ہماری عمومی زندگی کا جزو لاینفک ہے اور ایسے انداز کو عقل وشعور کی معراج سمجھتے ہیں جبکہ داناؤں کا کہنا ہے کہ ایسا انداز چغلی یا غیبت کے لیے ہی بالعموم اپنایا جاتا ہے۔ یہ بہت حد تک حقیقت بھی ہے۔

''کوئی دیکھ نہ لے اور کوئی سُن نہ لے'' کی احتیاط اپنی جگہ مگر اس کے باوجود ایک ہستی یہ 'منہ لگے کان' یعنی 'کانا پھوسی' دیکھ بھی رہی ہوتی ہے اور 'انتہائی محتاط آواز' سن بھی رہی ہوتی ہے اور دونوں حالتوں سے بڑھ کر گفتگو کرنے اور سننے والوں کے دلوں کے اندر پیدا خیالات تک سے بخوبی واقف بھی ہوتی ہے اور یہ ہستی خالق کائنات اللہ رب العزت ہے۔

اس حقیقت کو قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے:

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ مَا يَكُوۡنُ مِنۡ نَّجۡوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمۡ وَلَا خَمۡسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمۡ وَلَاۤ اَدۡنٰى مِنۡ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكۡثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمۡ اَيۡنَ مَا كَانُوۡا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ O (07:58)

''کیا تم کو خبر نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا اللہ کو علم ہے؟ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ہو اور ان کے درمیان چوتھا اللہ نہ ہو، یا پانچ آدمیوں کی سرگوشی ہو اور ان کے اندر چھٹا اللہ نہ ہو۔ خفیہ بات کرنے والے خواہ اس سے کم ہوں یا زیادہ، جہاں کہیں بھی وہ ہوں' اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر قیامت کے روز وہ ان کو بتا دے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے''۔

کانا پھوسی کے ذریعے غیبت اور چغلی بندوں سے تو چھپانے والا خوش ہے کہ بات ہم دونوں تک ہی محدود ہے حالانکہ جن سے اس نے چھپانے کی کوشش کی وہ جان بھی لیں تو اس قدر نقصان نہیں پہنچا سکتے جس قدر شدید ترین پکڑ تیرا نظر نہ آنے والا مگر دلوں کی گہرائی تک جاننے والا رب دنیا و آخرت میں گرفت کر سکتا ہے۔ اس طرح اَن پڑھ تو رہے ایک طرف اعلیٰ تعلیم والوں، بلکہ اکثر دینی تعلیم کا سرمایہ رکھنے والوں کا بھی دھیان نہیں جاتا۔ یہ اکثریت کا عمومی رویہ ہے۔

غیبت ہو یا چغلی معاشرتی زندگی کے لیے تباہ کن اثرات رکھتے ہیں۔ حقیقی رشتوں یعنی بھائیوں، بھائی بہنوں، چچاؤں اور پھوپھیوں خالاؤں تک میں غلط فہمیوں کو جنم دے کر دوریاں پیدا کرنے بلکہ بعض اوقات قتل تک لے جانے میں بدترین کردار پیدا کرتے ہیں کہ یہ ابلیس کا مؤثر ترین ہتھکنڈہ ہے جس سے اکثریت غافل دیکھی جاتی ہے۔

اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں اہل ایمان کو خبردار کرتے فرمایا ''اے ایمان کا اقرار کرنے اور دعویٰ کرنے والو! تم میں سے بعض، بعض کی غیبت نہ کریں، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، اس کو تم ناپسند کرتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ توّاب اور رحیم ہے۔'' پہلے تو کوئی بھلا شخص اس بات کو تصور کرتے ہی ڈرتا ہے کہ اس کا بھائی فوت ہو جائے، اس پر وہ مردہ بھائی کو نوچ کر اس کا گوشت کھائے۔ مگر غیبت کرتے ہوئے مرد اور خواتین اس فرمانِ الٰہی سے غفلت کرتے شب و روز مصروف دیکھے جاتے ہیں۔ معاشرتی ٹوٹ پھوٹ اور خاندانوں میں پھیلتی بے چینی کے اس سبب کا ہر کسی کو خاتمہ کرنا چاہیے اور یہ کام اپنے گھر، اپنے خاندان، اپنے ہمسائے سے شروع کرتے برادری کی سطح تک پھیلانا دنیا و آخرت سنوارنے کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں غیبت اور چغلی کی عادتِ بد سے بچائے آمین

ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے نیا استعماری نظام مُسلّط !

محمد انیس الرحمٰن

(بشکریہ ہفت روزہ ندائے ملت لاہور 24 جنوری 2019ء)

اس وقت جب کہ وطن عزیز میں معاشی، معاشرتی اور سیاسی صورتحال انتہائی غیر یقینی کی صورتحال سے دوچار ہوتی نظر آرہی ہے، یہ کہنا مشکل ہے کہ دم توڑتا ہوا یہ سیاسی اور حکومتی نظام انتہائی صورتحال تک پہنچنے کے لیے مزید اور کتنا وقت لے گا۔ ستر برسوں سے زائد زمانے پر محیط اس نظام نے اس ملک کے باسیوں کو کیا دیا وہ بھی اب واضح ہو چکا ہے۔ دنیا نیچے سے اوپر کی جانب گئی ہے جبکہ صرف ساٹھ کی دہائی سے لے کر اب تک روپے اور ڈالر کے درمیان بڑھتے فاصلے کا اندازہ لگا کر ہم جان سکتے ہیں کہ ہم کس قدر تیزی کے ساتھ نیچے کی جانب گرے ہیں۔ اب صورتحال یہ ہے کہ ایک منصوبہ بندی سے پوری دنیا میں 'بڑا معاشی' بحران پیدا کیا جارہا ہے جس کے مقاصد ہم پہلے بھی بیان کرتے رہے ہیں کہ دنیا کے سرد گرم پر قابض دجالی قوتیں اب دنیا کو مذاہب، زیادہ آبادی کے خاتمے اور دیگر وسائل پر مکمل کنٹرول کے لیے جنگوں اور معاشی ناہمواری کا کھیل شروع کر چکی ہیں۔ اس صورتحال سے بہت سے ایسے ملک نمٹ تو سکتے ہیں جو معاشی طور پر مضبوط ہیں لیکن پاکستان جیسا ملک، جہاں پہلے ہی معاشی معاشرتی اور سیاسی ناہمواریاں عروج پر ہیں، اس عالمی کشمکش میں کہاں کھڑا ہوگا؟ اس کا کچھ اندازہ نہیں۔ صورتحال کی سنگینی کا اندازہ لگانے کے لیے ہم اس حوالے سے ایک مختصر سا جائزہ پیش کریں گے۔

اب اگر دیکھا جائے تو بظاہر ہمیں معلوم ہوگا کہ اس وقت امریکہ ہی واحد عالمی قوت

ہے جو ہمہ وقت اپنی عالمی اجارہ داری کے لیے مصروفِ عمل ہے یا دنیا کے اور دوسرے خطوں میں کچھ اور قوتوں کا سکہ چلتا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ہمیں اس بات کو ذہن نشین کرنا ہوگا کہ آج کی یا آج سے سو برس پہلے تک کی دنیا اس دنیا سے یکسر مختلف ہے جو اب تاریخ کا حصہ ہے۔ آج اگر لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ اس وقت دنیا کا حقیقی کنٹرول بظاہر بڑی طاقتیں نظر آنے والے ملکوں یا حکومتوں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ دنیا میں موجود تیرہ خاندانوں کے ہاتھ میں ہے جن کے اشاروں پر امریکہ اور دیگر قوتیں بھی ناچتی ہیں تو یقیناً ایک عام آدمی چونک جائے گا جبکہ کچھ ''زیادہ تعلیم یافتہ'' افراد اسے CONSIRACY THEORY کا نام دے دیں گے لیکن یقین جانئے ایسا فی الواقع ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق دنیا کی 99 فیصد دولت ان تیرہ خاندانوں کے قبضہ میں ہے جبکہ باقی ایک فیصد دولت پر تمام دنیا ایک دوسرے سے دست و گریباں ہے۔ یہ تیرہ خاندان ایک خفیہ دجالی نظام کے تحت اپنے معاملات چلاتے ہیں اور آنے والے قریبی وقت میں یہ اس دجالی نظام کو پوری دنیا پر نافذ کرنے کی منصوبہ بندی رکھتے ہیں۔ یہ نہ نظر آنے والی ایک دجالی طاقت ہے جس کے تحت تیرہ خاندانوں کا ایک طاغوتی نظام ہے۔ ان تیرہ خاندانوں کی دجالی صہیونی کونسل کے تحت دنیا کے تین سو کے قریب طاقتور ترین افراد ہیں۔ ان تین سو کے قریب افراد کے نیچے پالیسی میکر ادارے، عالمی مالیاتی ادارے جیسے آئی ایم ایف وغیرہ، ورلڈ بینک اور ٹیکس کی وصولی کے ادارے ہوتے ہیں۔ ان اداروں کے تحت کام کرنے والی بین الاقوامی کمپنیاں ہوتی ہیں جنہیں عرف عام میں ملٹی نیشنل کمپنیاں بھی کہا جاتا ہے۔ ان کمپنیوں کے ذریعے مختلف ملکوں کی فکری اور مذہبی تنظیموں، عدالتی نظاموں، میڈیا اور دفاعی اداروں کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ اس دجالی صہیونی انتظامی نیٹ ورک کے نیچے دنیا کے وہ اربوں انسان ہیں جن کو اس بات کا سرے سے علم ہی نہیں کہ ان پر حقیقت میں حکومت کون کر رہا ہے۔ ان کے خیال میں ان کے علاقائی حکمران ہی درحقیقت ان کے سرد گرم کے فیصلے کرتے ہیں لیکن انہیں اس بات کا بالکل اِدراک نہیں کہ ان کے مقامی حکمرانوں کے سرد گرم کے فیصلے بھی کوئی اور ہی کرتا ہے۔

اس حوالے سے اگر دیکھا جائے تو یہ ایک بڑا منظّم دجالی جال نظر آتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا میں کچھ افراد اور ادارے ایسے بھی ہیں جو ان دجالی اور طاغوتی قوتوں پر پوری

نظر رکھ کر کم سے کم باقی دنیا تک ان کے راز فاش کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ یہ زیادہ دیر پہلے کی بات نہیں جب عالم عرب کی حد تک دجالی صہیونی منصوبوں کی خبر سب سے پہلے قاہرہ سے جاری ہوتی تھی حالانکہ مصر جیسے معتدل ملک سے ایسی امید نہیں کی جاسکتی تھی لیکن بہرحال ایسا ہوتا رہا ہے۔ اس سلسلے میں ایک مثال استاد مرحوم ڈاکٹر عبدالوھاب المسیری کی ہے جو قاہرہ کی عین الشّمس یونیورسٹی میں شعبہ انگریزی ادب کے سربراہ تھے۔ عالم عرب میں آپ ہی کی ایسی شخصیت ہے جس نے سب سے پہلے "الموسوعة الصهيونية" یعنی ''انسائیکلوپیڈیا آف زائن'' مرتب کیا تھا۔ آپ کا شمار عالم عرب کے مشہور اسکالرز میں ہوتا تھا۔ آپ کا انتقال 2 جولائی 2008ء میں قاہرہ میں ہوا اور اس دن جب یہ خبر دنیا میں پھیلی تو اسرائیلی دارالحکومت تل ابیب اور نیویارک میں صہیونی حلقوں میں ایک جشن کا سماں تھا۔

کویت سے شائع ہونے والے عربی جریدے "المجتمع" کی ایک رپورٹ کے مطابق یہ دجالی بندوبست یا تیرہ خاندان عملی طور پر ایک دجالی عالمی ورلڈ آرڈر کا نفاذ کرنا چاہتے ہیں جس میں دنیا کی تمام سیاسی قوتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا جائے گا تاکہ ان سب کو ملا کر ایک دجالی بین الاقوامی حکومت کا قیام عمل میں لایا جاسکے جس کا دارالحکومت 'یروشلم' ہوگا۔ اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ امریکی صدر ٹرمپ نے کیوں مقبوضہ بیت المقدس کا دورہ کرکے وہاں امریکی سفارت خانے کا افتتاح کیا تھا۔ منصوبے کے مطابق دنیا کے بہت سے ملکوں کے حالات کو متوازن بنایا جائے گا جبکہ امریکی قوت میں بتدریج کمی کی جائے گی کیونکہ امریکہ کو سیڑھیوں سے نیچے اتار کر ہی دیگر قوتوں کو اس کے ساتھ ملایا جائے گا۔

رپورٹ میں اس بات کا بھی خدشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس دجالی منصوبے کے تحت دنیا کی کل آبادی کو کم کرکے اسے ایک ارب تک لانا مقصود ہے تاکہ انسانوں پر کنٹرول آسان رہے۔ اس مقصد کی بارآوری کے لیے ہر قسم کا حربہ استعمال کیا جائے گا جس میں خاص قسم کی بیماریاں پیدا کرنا، مختلف قسم کے وائرس پھیلانا اور مخصوص جنیاتی قسم کی تیار کردہ غذاؤں کو عام کرنا ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کو 'فاسٹ فوڈ' کے نام پر ناکارہ بنایا جارہا ہے۔ اس میں مہلک ہتھیار اور جنگوں کا سہارا لینا بھی شامل ہے۔ اس حوالے سے یہ حیران کن خبر بھی ہے کہ ان تیرہ خاندانوں

کے پاس کینسر اور ایڈز جیسی بیماریوں کا علاج بھی موجود ہے کیونکہ دنیا میں ان بیماریوں کو پیدا کرنے کی وجہ بھی یہی خاندان تھے مگر انہوں نے جان بوجھ کر اسے دنیا سے مخفی رکھا ہوا ہے تا کہ انسانوں میں یہ بیماریاں تیزی کے ساتھ پھیل کر ان کی تعداد میں کمی کا سبب بن سکیں۔ یہ سارا سلسلہ اس نئے دجالی نوآبادیاتی نظام کا حصہ ہے۔

اس قسم کی رپورٹوں میں یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ ان تیرہ خاندانوں کے پاس اتنی دولت ہے کہ دنیا کا امیر ترین شخص بل گیٹس بھی ان کے سامنے ایک معمولی بھکاری سے زیادہ نہیں ہے۔ ان تیرہ خاندانوں کے نظریات اور آپس کے روابط ہمیشہ دنیا سے پوشیدہ رہے ہیں اس لیے دنیا میں زیادہ تر لوگوں نے کبھی ان کا نام تک نہیں سنا ہوگا۔ ان تیرہ خاندانوں کے نام کچھ اس طرح ہیں۔ آسٹر (AUSTOR)، فری مین (FREEMAN)، رسل (RUSSELL)، رینالڈز (REYNOLDS)، بنڈی (BUNDY)، راکفلر (ROCKEFELLER)، کولنز (COLLINS)، کینیڈی (KENNEDY)، لی (LI)، وین دیان (VANDUYN)، روتھ شائلڈ (ROTHSCHILD)، ڈوپونٹ (DUPONT)، اوناسیز، (ONASSIS) اور میروونجیان (MEROVINGIAN)۔

اب اگر آپ دنیا بھر میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کے خونی شکنجے کی بات کریں گے تو آپ کو یاد ہوگا کہ امریکہ میں سب سے پہلے ساٹھ کی دہائی میں ''ہپی ازم'' کی ابتدا ہوئی تھی یا کی گئی تھی۔ یہ تحریک امریکہ کے مغربی ساحلوں پر پروان چڑھی تھی لیکن چند ماہ وسال میں ہی یہ تمام مغربی دنیا میں پھیل گئی تھی نوجوان نسل بڑھی ہوئی شیو، پھٹی ہوئی پتلونوں، بکھرے بالوں اور میلی قمیصوں کے ساتھ گلی کوچوں میں گھومتے نظر آنے لگے، ہیجانی موسیقی ان کی روح کی غذا قرار پائی یہ کلبوں میں تھرکتے اور باروں میں تیز نشے کرنے لگے حالانکہ اگر آپ ستر اور ساٹھ کی دہائی سے پہلے کے مغرب کا مشاہدہ کریں تو آپ کو وہاں شائستہ بنیادوں پر ایک مضبوط سماجی ڈھانچہ دیکھنے کو ملے گا، خاندانی نظام ایک لازمی جزو تھا، ماں باپ اور اولاد کے درمیان ایک احترام کا رشتہ ہوا کرتا تھا، خواتین پورے لباس زیب تن کیا کرتی تھیں، یہی وہ دور ہے جس میں مغرب کا بہترین ادب پروان چڑھا، مغربی دنیا کی فکر انگیز اور بہترین کتابیں اسی دور میں لکھی گئیں۔ یہاں تک کہ اس دور

کی فلموں کو بھی دیکھ لیا جائے تو وہ ادبی اور سماجی اور بین الاقوامی موضوعات سے تعبیر ہوتی تھیں مغربی سینما کی بہترین اور تاریخی فلمیں اسی دور میں پروڈیوس ہوئیں۔ روس، مشرقی اور مغربی یورپ سے لے کر امریکہ تک میں پھیلی ہوئی ہر قوم اپنے مخصوص لباس، ثقافت اور سماجی طور طریقوں کے لحاظ سے منفرد ہوا کرتی تھی لیکن پھر مغرب میں ''ہپی ازم'' کا وائرس چھوڑ دیا گیا۔ 80ء کی دہائی میں یہ تحریک مغرب سے مشرق منتقل ہونا شروع ہوئی یہاں پر مغربی این جی اوز نے سماجی رویوں اور روایتوں کو بدلنے کا کام شروع کیا یوں ''اینگری ینگ مین'' ہمارے معاشرے کا مشہور کردار بنا دیا گیا۔ یہاں کے نوجوان ڈسکو موسیقی کے دلدادہ بن گئے ان کے لباس کی تراش خراش مکمل طور پر مغربی ہوگئی تعلیمی شعبے میں یہاں عربی اور فارسی کی بجائے تہذیب کی علامت انگریزی زبان قرار پائی یوں یہاں معاشرتی اقدار کا جنازہ نکلنا شروع ہوا اور مغربی این جی اوز نے مغربی سفارتخانوں کے زیر سایہ یہاں اپنے خونی پنجے گاڑھ دیے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے پہلے ہمیں پیپسی اور میکڈانلڈ کا شوقین بنایا یہاں کا میڈیا ان صلیبی دجالی یلغار کی زد میں آ گیا یوں یہاں زندگی میں جو قدرتی پن پایا جاتا تھا وہ ختم ہونا شروع ہوگیا۔ یوں یہاں کی قوموں کو ایک بے سمت دوڑ کا حصہ بنا دیا گیا میڈیا پر مہنگی اشتہار بازی سے یہاں کے انسانوں کی مادی ہوس کو دوآشتہ کر دیا۔ اس طرح ہم این جی اوز اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کی بچھائی بساط کے ادنیٰ مہرے بن گئے۔

اس بات کو بھی مدنظر رکھا جائے کہ دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ملٹی نیشنل کمپنیوں کی تعداد 620 ہے اور ان کے مجموعی سرمائے کی طاقت پچاس ٹریلین ڈالر سے بھی زیادہ ہے۔ یہ بھی جان لیں کہ اس وقت تک ان میں سے چالیس ملٹی نیشنل کمپنیاں ایشیا اور اس کی منڈیوں پر قابض ہو چکی ہیں۔ ابھی تک ان کمپنیوں نے جن ملکوں کا دیوالیہ نکالا ہے ان میں سوڈان، صومالیہ، شمالی کوریا، روانڈا، زمبابوے، ایلسلواڈور، مالٹا، یوکرین، البانیہ، نائیجیریا اور تنزانیہ کے علاوہ بھی اور بہت سے ملک ہیں۔ یہ کس طرح دنیا کے انسانوں کو غلام بناتی ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف نیسلے کمپنی ہر سال لاکھوں ٹن قابل استعمال خوراک سمندر برد کرتی ہے تاکہ مارکیٹ میں مصنوعی قلّت پیدا کی جاسکے جس سے قیمتیں بڑھتی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ کمپنی دنیا بھر سے زرعی اجناس خریدنے میں اوّل نمبر پر آتی ہے جن سے یہ

اپنی غذائی مصنوعات بناتی ہے اور پھر ترقی پذیر ملکوں میں مرضی کے نرخ پر فروخت کرتی ہے اس کمپنی کے اثاثوں کا اندازہ اس ایک بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر یہ چاہے تو دنیا بھر کے غریب انسانوں کو کئی دہائیوں تک مفت خوراک مہیا کرسکتی ہے۔

اس کے بعد اب آپ زراعت کی طرف آجائیں ایک امریکی کمپنی میں بورلانا می ایک امریکی سائنسدان نے ایک بیج ایجاد کیا تھا جس نے عام حالت سے ہٹ کر دوگنی فصل اُگانی تھی۔ یہ بیج ستر کی دہائی میں پاکستان درآمد کیا گیا تھا ایک سال بعد پاکستان کو اس بیج مہیا کرنے والی کمپنی سے کھاد بھی خریدنا پڑی اس سے اگلے برس اسی کمپنی سے کیڑے مار دوائیاں بھاری قیمت پر بھی خریدنا پڑیں اس کمپنی نے نئی فیکٹریاں لگالیں۔ اس طرح یہاں کی کھپت بڑھنے لگی کیونکہ زمین نے کسی دوسرے بیج کو قبول کرنے سے انکار کردیا، اب اس بیج نے عام بیج کی جگہ پانی کو کہیں زیادہ استعمال کرنا شروع کردیا یوں اسی کمپنی نے پاکستان میں ٹیوب ویل لگانا شروع کردیے ٹیوب ویلوں سے متعلق تمام آلات بھی اسی کمپنی سے آنا شروع ہوگئے، بجلی کا سامان تاریں، کھمبے اور میٹر بھی یہی کمپنی سپلائی کرنے لگی اس طرح پاکستان کی زراعت پر ایسی تباہی پھری کہ اناج برآمد کرنے والا ملک پاکستان خود اناج کے لیے محتاج ہوگیا۔ اس کے بعد وہی ملٹی نیشنل کمپنی ہماری اناج کی قلّت پوری کرنے کے لیے ہمیں ہی دوسرے ملکوں سے اناج مہیا کرنے لگی اس طرح پاکستان جیسا زرعی ملک خود اناج کے لیے دوسروں کا دست نگر ہوگیا۔ اس میں مزے کی بات یہ ہے کہ ستر کی دہائی میں ادویات مہیا کرنے والی ملٹی نیشنل کمپنیوں نے اس وقت پاکستان کا بائیکاٹ کردیا تھا جب بھٹو نے ہر قسم کی دوائی ملک میں ہی بنانے کا اعلان کردیا تھا لیکن حکومت بعد میں مجبور ہوئی اور اس طرح یہ دجالی ملٹی نیشنل کمپنیاں مقامی لوگوں کی کھال اتارنے لگیں۔ ادویات کے شعبے میں بھارت کی نسبت جان بچانے والی دواؤں کے نرخ پاکستان میں 66 فیصد زیادہ ہیں جس وقت زرداری نے بدقسمتی سے اس ملک کے صدر کا عہدہ سنبھالا اس وقت بچوں کی ایک بنیادی دوا گریوینیٹ 18 روپے کی ہوا کرتی تھی لیکن اس حکومت کے ایک سال بعد ہی یہ دوا 80 روپے یعنی چار گنا زیادہ مہنگی کردی گئی تھی اب آپ خود اندازہ لگالیں اب اس کی کیا قیمت ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ ادویات بنانے والی اگر ایک ملٹی نیشنل کمپنی چاہے تو دنیا کے ہر شخص کا مفت علاج کیا جاسکتا ہے، دو ملٹی نیشنل

کمپنیاں ملیں تو دنیا کے ہر فرد کو ہسپتال کا ایک کمرہ فراہم کرسکتی ہیں اور اگر تین ملٹی نیشنل کمپنیاں مل جائیں تو زمین پر بسنے والے ہر انسان کے لیے درمیانی درجے کا ایک ایک ہسپتال بنایا جاسکتا ہے، اگر دو ملٹی نیشنل کمپنیاں جان بچانے والی ادویات کو اپنے چنگل سے آزاد کردیں تو دنیا بھر میں مہلک امراض سے مرنے والے نوے فیصد افراد کو بچایا جاسکتا ہے صرف دو ملٹی نیشنل کمپنیاں ایسی ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو دنیا سے ایڈز، ٹی بی اور کینسر جیسے امراض کو جڑ سے اکھاڑ سکتی ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں غریب ممالک کے حکمرانوں کو آلہ کار بنا کر وہاں کے عوام کے خون کا ایک ایک قطرہ چوس رہی ہیں۔ یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرح تجارت کی غرض سے پاکستان میں آئیں اور اب یہ مکمل طور پر یہاں کی معیشت پر قابض ہیں ان کا این جی اوز کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پاکستان بھر میں ساٹھ ہزار سے زائد این جی اوز یہاں رجسٹرڈ ہیں جبکہ ان میں مغربی این جی اوز کے اثاثے ساٹھ ارب ڈالر سے بھی زائد ہیں۔ جبکہ ان کے خفیہ فنڈز کا کوئی شمار ہی نہیں انہوں نے پاکستان جیسے ملکوں میں لاکھوں ملازمین رکھے ہوئے ہیں جبکہ ان کا ایجنڈہ اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں سے پاکستان اور اسلام کی روح کو نکالنا ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے کہا تھا کہ ساٹھ کی دہائی میں امریکہ سے ''ہپی ازم'' شروع ہو جو یورپ سے ہوتا ہوا اسّی کی دہائی میں مشرق میں داخل ہوا تھا اس کے ذریعے ان تیرہ صہیونی دجالی خاندانوں نے اپنے زرخرید میڈیا اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے تمام دنیا کے کلچر کو ایک کرنا شروع کیا تھا اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ مشرق سے مغرب تک ایک لباس ہو چکا ہے، ایک معاشی نظام ہو چکا ہے، تعلیمی نظام ایک کر دیا گیا ہے، قومیں بے شمار ہیں لیکن ناچ گانے کے ڈھنگ ایک ہو چکے ہیں۔ یہ تھا دجالی ''ون ورلڈ گورنمنٹ'' کی جانب پہلا قدم، اسی کے تناظر میں نائن الیون کا ڈرامہ رچایا گیا تھا اسی تناظر میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف دہشت گردی کے نام پر جنگ مسلط کی گئی تھی، اس مقصد کی خاطر افغانستان اور عراق کو نشانہ بنا کر اب اس جنگ کو پھیلا کر تمام مشرق وسطی تک دراز کر دیا گیا ہے۔ اسی مختصر سی تفصیل میں سوچنے سمجھنے کا خاصا مواد ہے۔

مختصر سوانح حیات شاعر مشرق علامہ محمد اقبال

ابوفیصل محمد منظور انور

علامہ محمد اقبال علیہ الرحمہ 9 نومبر 1877ء بمطابق 3 ذوالقعدہ 1294ھ پاکستان کے شہر سیالکوٹ میں شیخ نور محمد کے گھر پیدا ہوئے۔ ماں باپ نے نام محمد اقبال رکھا۔ آپ کے آباء و اجداد اٹھارھویں صدی کے آخر یا انیسویں صدی کے اوائل میں کشمیر سے ہجرت کر کے سیالکوٹ آئے اور محلّہ کھیتیاں میں آباد ہوئے۔ شیخ نور محمد کے والد شیخ محمد رفیق نے محلّہ کھٹیکاں میں ایک مکان آباد کیا۔ کشمیری لوئیوں اور دھسوں کی فروخت کا کاروبار شروع کیا پھر بعد میں بازار چوڑیگراں میں آ گئے جواب اقبال بازار کہلاتا ہے۔ شیخ نور محمد جو خود بھی دیندار اور پارسا انسان تھے، بیٹے کو دینی تعلیم کے لیے کم سنی میں ہی مولانا غلام حسن کے پاس لے گئے جو محلّہ شوالہ کی مسجد میں درس دیا کرتے تھے یہاں سے اقبال کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ حسبِ دستور قرآن شریف سے ابتدا ہوئی، نامور عالم مولانا سیّد میر حسن کا مکتب شیخ نور محمد کے گھر کے قریب ہی تھا تو والد نے اقبال کو میر حسن کے سپرد کر دیا۔ یہاں اقبال نے اردو، فارسی اور عربی ادب پڑھنا شروع کیا یہاں تین سال گزر گئے اس دوران میں سید میر حسن نے اسکاچ مشن اسکول میں بھی پڑھانا شروع کر دیا۔ اقبال بھی وہیں داخل ہو گئے میر حسن تمام اسلامی علوم کے ساتھ جدید علوم سے بھی اچھی طرح واقف تھے اقبال کو بہت عزیز رکھتے تھے اقبال کی شخصیت کی مجموعی تشکیل میں جو عناصر بنیادی طور پر کارفرما نظر آتے ہیں ان میں سے بیشتر حصہ سید صاحب کی صحبت اور تعلیم کا ہے۔

مئی 1893ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ فرسٹ ڈویژن آئی اور تمغہ اور وظیفہ ملا۔ اسکاچ مشن اسکول میں انٹرمیڈیٹ کی کلاسیں بھی شروع ہو چکی تھیں لہٰذا اقبال کو ایف اے کے لیے کہیں اور نہیں جانا پڑا۔ یہیں سے ان کی شاعری کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اس وقت پورا برصغیر داغ دہلوی کے نام سے گونج رہا تھا۔ لہٰذا ان کی شاگردی حاصل کر لی۔ داغ جگت استاد تھے وہ اپنی بے مثال بصیرت سے بھانپ گئے اور یہ کہہ کر فارغ کر دیا کہ اصلاح کی گنجائش نہ ہونے کے برابر ہے۔ مگر اقبال اس مختصر سی شاگردی پر بھی ہمیشہ نازاں رہے۔ 1895ء میں اقبال نے ایف اے کیا اور مزید تعلیم کے لیے لاہور آ گئے۔ یہاں گورنمنٹ کالج میں بی اے کی کلاس میں داخلہ لیا۔ اپنے لیے انگریزی، فلسفہ اور عربی کے مضامین منتخب کیے۔ انگریزی اور فلسفہ گورنمنٹ کالج میں پڑھتے اور عربی پڑھنے اورینٹل کالج جاتے جہاں مولانا فیض الحسن سہارنپوری ایسے بے مثال استاد تشریف رکھتے تھے۔ 1898ء میں انھوں نے بی اے پاس کیا اور ایم اے فلسفہ میں داخلہ لے لیا۔ یہاں پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ سے تعلق پیدا ہوا جنھوں نے آگے چل کر اقبال کی علمی اور فکری زندگی کا ایک حتمی رخ متعین کر دیا۔ مارچ 1899ء میں ایم اے کا امتحان دیا اور پنجاب بھر میں اول آئے۔ اس دوران میں شاعری کا سلسلہ بھی چلتا رہا اور انہی دنوں بحیثیت شاعر شہرت کا آغاز ہوا۔ مشاعروں میں باصرار بلائے جانے لگے۔ اسی زمانے میں انجمن حمایتِ اسلام سے تعلق پیدا ہوا جو آخر تک قائم رہا۔ ایم اے پاس کرنے کے بعد 13 مئی 1899ء کو اورینٹل کالج میں میکلوڈ عربی ریڈر کی حیثیت سے جائن کیا۔ اسی سال پروفیسر آرنلڈ بھی عارضی طور پر کالج کے قائم مقام پرنسپل مقرر ہوئے۔ اقبال تقریباً چار سال تک اورینٹل کالج میں رہے۔ اس دوران چھ ماہ کی رخصت لے کر گورنمنٹ کالج میں انگریزی پڑھائی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے کینیڈا یا امریکا جانا چاہتے تھے مگر آرنلڈ کے کہنے پر اس مقصد کے لیے انگلستان اور جرمنی کا انتخاب کیا۔ 1904ء کو آرنلڈ انگلستان واپس چلے گئے۔ اورینٹل کالج میں تدریس کے دوران ہی شیخ عبدالکریم الجیلی کے نظری توحیدِ مطلق پر انگریزی میں ایک مقالہ لکھا اور علم الاقتصاد کے نام سے اردو زبان میں ایک مختصر سی کتاب تصنیف کی جو 1904ء میں شائع ہوئی۔ اردو میں اپنے موضوع پر یہ اولین کتابوں میں سے ہے 1903ء میں اسسٹنٹ پروفیسر انگریزی کی حیثیت سے گورنمنٹ کالج میں تقرر ہو گیا۔ بعد میں

فلسفے کے شعبے میں چلے گئے۔ وہاں پڑھاتے رہے یہاں تک کہ یکم اکتوبر 1905ء کو یورپ جانے کے لیے تین سال کی رخصت لی۔ 25 دسمبر 1905ء کو علامہ اقبال اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے اور کیمبرج یونیورسٹی ٹرنٹی کالج میں داخلہ لے لیا اور بیرسٹری کے لیے لنکنز اِن میں داخلہ لے لیا اور پروفیسر براون جیسے فاضل اساتذہ سے رہنمائی حاصل کی۔ بعد میں آپ جرمنی چلے گئے جہاں میونخ یونیورسٹی سے آپ نے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ سر عبدالقادر بھی یہیں تھے۔ اسی زمانے میں کیمبرج کے استادوں میں وائٹ ہیڈ، میگ ٹیگرٹ، وارڈ، براون اور نکلسن جیسی نادرروزگار اور شہرآفاق ہستیاں بھی شامل تھیں۔ براون اور نکلسن عربی اور فارسی زبانوں کے ماہر تھے۔ آگے چل کر نکلسن نے اقبال کی فارسی مثنوی 'اسرارخودی' کا انگریزی ترجمہ بھی کیا۔ آرنلڈ جو کیمبرج میں نہیں تھے، لندن یونیورسٹی میں عربی پڑھاتے تھے۔ اقبال نے انہی کے کہنے پر میونخ یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کے لیے رجسٹریشن کروایا۔ کیمبرج سے بی اے کرنے کے بعد جولائی 1907ء کو ہائیڈل برگ چلے گئے تاکہ جرمن زبان سیکھ کر میونخ یونیورسٹی میں اپنے تحقیقی مقالے کے بارے میں اس زبانی امتحان کی تیاری ہوجائے جو اسی زبان میں ہوتا تھا۔ یہاں چار ماہ گزارے۔ ''ایران میں مابعدالطبیعیات کا ارتقا'' کے عنوان سے اپنا تحقیقی مقالہ پہلے ہی داخل کر چکے تھے 4 نومبر 1907ء کو میونخ یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری دے دی۔ 1908ء میں یہ مقالہ پہلی بار لندن سے شائع ہوا۔ انتساب آرنلڈ کے نام تھا۔ ڈاکٹریٹ ملتے ہی لندن واپس چلے آئے۔ بیرسٹری کے سارے امتحان مکمل ہوگئے جولائی 1908ء کو نتیجہ نکلا کامیاب قرار دیے گئے۔ اس کے بعد انگلستان میں مزید نہیں رکے اور وطن واپس آ گئے۔ لندن میں قیام کے دوران میں اقبال نے اسلامی تصوف، مسلمانوں پر تہذیب یورپ کا اثر، اسلامی جمہوریت، اسلام اور عقلِ انسانی مختلف موضوعات پر لیکچروں کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ مئی 1908ء میں جب لندن میں آل انڈیا مسلم لیگ کی برٹش کمیٹی کا افتتاح ہوا تو ایک اجلاس میں سید امیر علی کمیٹی کے صدر چنے گئے اور اقبال کو مجلسِ عاملہ کا رکن نامزد کیا گیا۔

قیامِ یورپ کے دوران انھیں مغربی تہذیب و تمدن براہ راست دیکھنے کا موقع ملا۔ مغرب کے فکری، معاشی، سیاسی اور نفسیاتی غلبے سے آنکھیں چرائے بغیر انھوں نے عالمی تناظر

میں اُمتِ مسلمہ کے گزشتہ عروج کی بازیافت کے لیے ایک وسیع دائرے میں سوچنا شروع کیا۔ 5 جولائی 1908ء کی رات دہلی پہنچے، اگست 1908ء میں لاہور آ گئے۔ چیف کورٹ پنجاب میں وکالت شروع کر دی۔ 2 مارچ 1910ء کو پنجاب یونیورسٹی کے فیلو نامزد کیے گئے 10 مئی 1910ء سے گورنمنٹ کالج لاہور میں عارضی طور پر فلسفہ پڑھانا شروع کر دیا، لیکن ساتھ ساتھ وکالت بھی جاری رکھی، 31 دسمبر 1910ء کو گورنمنٹ کالج سے مستعفی ہو گئے۔ لالہ رام پرشاد پروفیسر تاریخ گورنمنٹ کالج لاہور کے ساتھ مل کر نصاب کی ایک کتاب ''تاریخ ہند'' مرتب کی جو 1913ء کو چھپ کر آئی، آگے چل کر مختلف اوقات میں اورینٹل اینڈ آرٹس فیکلٹی، سینیٹ اور سنڈیکیٹ کے ارکان بھی رہے۔ 1919ء میں اورینٹل فیکلٹی کے ڈین بنائے گئے۔ 1923ء میں یونیورسٹی کی تعلیمی کونسل کی رکنیت ملی، اسی سال پروفیسر شپ کمیٹی اور پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی کے بھی رکن رہے۔ میٹرک کے طلبہ کے لیے فارسی کی ایک نصابی کتاب آئینۂ عجم مرتب کی جو 1927ء میں شائع ہوئی۔ وہ پنجاب یونیورسٹی سے 1932ء تک منسلک رہے۔ تقسیم بنگال کی منسوخی کا اعلان ہوا تو یکم فروری 1912ء کو موچی دروازہ لاہور میں مسلمانوں نے ایک احتجاجی جلسہ منعقد کیا جس میں اقبال بھی شریک ہوئے۔ 1911ء میں اپنی مشہور نظم شکوہ اور 1913ء میں جوابِ شکوہ لکھی۔

یورپ سے واپسی کے بعد 1914ء تک کا زمانہ اقبال کی بنیادی فکر کی تشکیل و تکمیل کا زمانہ ہے۔ یورپ میں پہلی جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی۔ اس کے اثرات ہندوستان میں بھی نمایاں ہوئے۔ انگریزی حکومت کے خلاف تحریکوں نے زور پکڑ لیا تھا۔ 13 اپریل 1919ء کو جلیانوالہ باغ میں ایک احتجاجی جلسہ میں رسوائے زمانہ جنرل ڈائر نے لوگوں کو گھیرے میں لیکر اندھا دھند فائرنگ کروائی اور سینکڑوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس حادثے سے انھیں گہرا دلی صدمہ ہوا اسی سال مولانا محمد علی جوہر چار سالہ نظر بندی کاٹ کے آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اس مشہور احتجاجی جلسے میں شرکت کے لیے لکھنو پہنچے جس میں خلافت کانفرنس کا قیام عمل میں آیا۔ اقبال صوبائی خلافت کمیٹی کے رکن تھے لیکن ان کا قائدینِ خلافت سے شدید اختلاف ہو گیا اختلافات دور نہ ہوئے تو اقبال صوبائی خلافت کمیٹی سے الگ ہو گئے۔ 16 اپریل 1922ء کو انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسے میں اقبال نے اپنی طویل نظم خضر راہ سنائی جس میں علامہ نے جنگ عظیم کے

سلسلے میں فاتح اقوام کی دھاندلی، ان کی ابلیسانہ سیاست، سرمایہ داری کی عیاری، مزدور کی بیداری عالم اسلام خصوصاً ترکانِ آلِ عثمان کی بے دست و پائی پر اظہار خیال کیا اور نسلی قومیت اور امتیاز رنگ وخون کے خیالات پر بھرپور ضرب لگائی۔ جنوری 1923ء کو اقبال کو سر کا خطاب ملا تو سید غلام بھیک نیرنگ سمیت دیگر دوستوں نے اندیشہ ظاہر کیا کہ اب آپ شاید آزادی اظہار سے کام نہ لے سکیں تو اقبال نے جواب میں کہا کہ قسم ہے خدائے ذوالجلال کی جس کے قبضے میں میری جان اور آبرو ہے اور قسم ہے اس بزرگ و برتر وجود ﷺ کی جس کی وجہ سے مجھے خدا پر ایمان نصیب ہوا اور مسلمان کہلاتا ہوں، دنیا کی کوئی قوت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ ان شاءاللہ۔

30 مارچ 1923ء کو انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں اقبال نے اپنی معروف نظم طلوع اسلام پڑھی۔ جس میں مسلمانوں کے روشن مستقبل کا پیغام تھا۔ اقبال حسبِ معمول وکالت میں مصروف رہے 1926ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے انتخابات میں اقبال کامیاب ہوئے تو وہ یونینسٹ پارٹی میں شامل ہوگئے مگر جلد ہی اس سے علیحدگی اختیار کرلی۔ اسی سال پنجاب کی صوبائی مسلم لیگ کے سیکرٹری بنائے گئے۔ اب وہ عملی سیاست کے میدان میں قدم رکھ چکے تھے۔ اس زمانے میں ہندوں کی طرف سے شدھی اور سنگٹھن کی رسوائے زمانہ تحریکوں کا زور تھا جس کی وجہ سے ہندو مسلم فسادات ہو رہے تھے۔ 2 جنوری 1929ء کو اقبال دہلی سے جنوبی ہند کے دورے پر روانہ ہوگئے۔ وہاں الٰہیات اسلامیہ کی نئی تشکیل کے موضوع پر مدراس، میسور، بنگلور اور حیدرآباد دکن میں خطبات دیے۔ جنوری کے آخر میں لاہور واپس پہنچ گئے۔ 1929ء ہی میں افغانستان کے ساتھ اقبال کے عملی تعلق کی ابتدا ہوئی 7 ستمبر 1929ء کو اقبال کی صدارت میں ایسا ہی ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں انھوں نے فلسطین میں یہودیوں کے بڑھتے ہوئے پرتشدد غلبے اور خاص طور پر مسجدِ اقصیٰ پر ان کے ناپاک قبضے کی مذمت کی اور کہا کہ 1914ء میں انگریز مدبروں نے اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے لیے یہودیوں کو آلہ کار بنایا صہیونی تحریک کو فروغ دیا ہے۔ یہودی مسجدِ اقصیٰ کے ایک حصے کے مالکانہ تصرف کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ انھوں نے فساد برپا کر رکھا ہے۔ مسلمان، ان کی عورتیں اور بچے بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیے جا رہے ہیں 29 دسمبر 1930ء کو الہ آباد کے شہر میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا۔ قائداعظم پہلی گول میز

کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے ہوئے تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں اقبال نے تاریخ ساز خطبہ صدارت دیا جو خطبہ الہ آباد کے نام سے مشہور ہوا۔ اس خطبے میں پہلی مرتبہ ہندوستان کے اندر ایک آزاد مسلم ریاست کا ٹھوس اور غیر مبہم خاکہ پیش کیا گیا۔ برطانوی حکومت نے دوسری گول میز کانفرنس میں اقبال کو بھی مدعو کیا۔ 27 ستمبر 1931ء کو لندن پہنچ گئے کانفرنس کی ابتدا ہی سے کچھ ایسے آثار رونما ہونے شروع ہوئے کہ اقبال بد دل ہو گئے۔ بالآخر 19 نومبر 1931ء کو اس کانفرنس سے کنارہ کش ہو گئے۔ 21 مارچ 1932ء کو لاہور میں اقبال کی زیر صدارت آل انڈیا مسلم کانفرنس کا اجلاس ہوا۔ اقبال نے خطبہ صدارت میں دوسری گول میز کانفرنس کا ماجرا سنایا، 1932ء کے آخر میں برطانوی حکومت کی طرف سے لندن میں تیسری گول میز کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ اقبال اس مرتبہ بھی بلائے گئے۔ 17 اکتوبر 1932ء کو انگلستان روانہ ہوئے۔ 30 دسمبر تک وہیں رہے۔ اقبال نے پھر کانفرنس میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ قائداعظم مایوس ہو کر لندن جا چکے تھے اقبال اور دوسرے مخلص دوستوں کے اصرار پر قائداعظم ہندوستان واپس آ گئے اور 4 مارچ 1934ء کو مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ 6 مئی 1936 کو حضرت محمد علی جناح، اقبال سے ملنے جاوید منزل تشریف لائے اور اقبال کو مسلم لیگ کے مرکزی پارلیمانی بورڈ کا رکن بنا دیا۔ 12 مئی کو اقبال دوبارہ پنجاب مسلم لیگ کے صدر مقرر ہوئے۔

علامہ اقبال مولانا رومی کو اپنا روحانی استاد مانتے تھے اور انہیں پیر رومی کے نام سے یاد کرتے۔ محمد اقبال حساس دل و دماغ کے مالک تھے آپ کی شاعری زندہ شاعری ہے جو ہمیشہ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے مشعل راہ بنی رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ کلام اقبال دنیا کے ہر حصے میں پڑھا جاتا ہے اور مسلمانان برصغیر اسے بڑی عقیدت کے ساتھ زیر مطالعہ رکھتے ہیں۔ اقبال نے نئی نسل میں انقلابی روح پھونکی اور اسلامی عظمت کو اجاگر کیا۔ ان کی کئی کتب کے انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، چینی، جاپانی اور دوسری زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ جس سے بیرون ملک بھی لوگ آپ کے معترف ہیں۔ علامہ اقبال نا صرف عالم اسلام بلکہ دنیا بھر کی اقوام میں عظیم مفکر مانے جاتے ہیں۔ شاعر مشرق 21 اپریل 1938ء دار فانی سے کوچ کر گئے اور خالق حقیقی سے جا ملے ان کا مزار شاہی مسجد لاہور کے پہلو میں واقع ہے۔ علامہ اقبال نے مختلف موضوعات پر کتابیں

لکھیں جن میں علم الاقتصاد۔ فارسی شاعری میں اسرار خودی، رموز بے خودی، پیام مشرق، زبور عجم، جاوید نامہ، پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق، ارمغان حجاز، اردو شاعری میں بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم۔ فارسی میں ماورا الطبیعیات کا ارتقا، اسلام میں مذہبی افکار کی تعمیر نو وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے کلام میں شکوہ، جواب شکوہ، خضر راہ، والدہ مرحومہ کی یاد میں، خودی، عقل و عشق، مرد مومن، اقبال اور عشق رسول ﷺ نمایاں ہیں۔

انتہائی افسوسناک امر یہ ہے کہ تصور پاکستان کے خالق، حکیم الامت کو جو اقوام عالم میں اعلیٰ مقام حاصل ہے ہمارے کوتاہ اندیش حکمرانوں نے مغرب کی خوشنودی کی خاطر کم کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اقبال کے کلام کو عام کرنے اور اپنے شاہین بچوں کو ان کا انقلابی پیغام پہنچانے کی بجائے ان کے فلسفہ مرد مومن، خودی کو قوم کی آنکھوں سے محو کرنے کی سازش کی جا رہی ہے ادبی محفلوں کی بجائے ان کا کلام گویوں کے سپرد کر دیا گیا۔ ہمارے تعلیمی نصاب سے ان کی شاعری کو بتدریج ختم کیا جا رہا ہے ان کے نام سے منسوب ایام کی تعطیل عام بھی ختم کر دی گئی۔ پوری قوم کا مطالبہ ہے کہ علامہ اقبال کے کلام کو ہر سطح پر تعلیمی نصاب میں شامل کیا جائے اور ان کے نام سے منسوب ایام کو سرکاری طور پر شایان شان طریقے سے منایا جائے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

خلاصۂ تراویح اور دُعاؤں کے آخری شمارے مفت حاصل کریں

ماہِ رمضان المبارک کی مناسبت سے ایک کتابچہ ''ہم نے آج تراویح میں کیا پڑھا'' اُردو اور سندھی زبان میں تراویح کے دوران روزانہ پڑھے جانے والے قرآنِ کریم کے حصے کا خلاصہ مع بنیادی مسائل و دیگر معلومات اور ''قرآنی و مسنون دُعائیں'' (معہ آسان ترجمہ) کے آخری شمارے مفت تقسیم کیے جا رہے ہیں۔ ان کتب کے حصول کے خواہشمند خواتین و حضرات اپنا پتہ بذریعہ ایس ایم ایس سیل نمبر 0332-8220032 یا بنام خط ڈاکٹر ممتاز عمر T-473، کورنگی نمبر 2، کراچی 74900 پر ارسال کر کے کتابچے حاصل کر سکتے ہیں۔

ماہنامہ حِکمتِ بالغہ جھنگ کی خصوصی اشاعت (نومبر 2018ء)

وسائلِ رزق پر قبضہ

اور ـــــ ارتکازِ دولت کے شیطانی طریقے

بنی اسرائیل اور ـــــ یاجوج ماجوج کا گٹھ جوڑ

اور بچاؤ کا راستہ

پر اہلِ علم کے تاثرات (گزشتہ سے پیوستہ)

12 ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم، سرگودھا

ادبی معراج کے حقیقی سرتاج وہ لوگ ہیں جو نام ونمود اور مالی منفعت کے بغیر کام کررہے ہیں۔ ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو اپنی ذات سے بالاتر اُمت مسلمہ کی نشاۃِ ثانیہ، قومی شعور کی بیداری اور معاشرتی ارتقاء کے لیے ہمہ تن مصروفِ عمل ہیں۔ جناب انجینئر مختار فاروقی کا شمار اُن لوگوں میں ہوتا ہے جو قرآن کریم کے دماغ سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور اُمتِ مسلمہ کو قرآن حکیم کی نگاہ سے دیکھنے کے لیے خود کو وقف کرتے ہیں۔ نومبر 2018ء کا شمارہ 'حکمتِ بالغہ' قرآن اکیڈمی جھنگ کا علمی و ادبی شہکار ہے۔ اس کے 304 صفحات ہیں اور اس میں شامل مضامین 10 ابواب پر مشتمل ہیں۔...... اس شمارے میں مذکور موضوعات 'حکمتِ بالغہ' کا نظریۂ اشاعت ہے۔ عصرِ حاضر میں اسے علمی وفکری تحریک سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ جس اُستاد کے پاس تدریس کا کوئی نظریہ نہ ہو تو اُسے مزدور سمجھ لیجئے۔ اسی طرح جو قوم اپنے نظریۂ حیات سے عاری ہے اُس قوم کا وجود اُڑتی پتنگ سے زیادہ تصور نہیں کیا جاتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ انقلاب اہلِ قلم کے اذہان میں جنم لیتے ہیں، قومیں تخلیق کاروں کی وجہ سے پروان چڑھتی ہیں۔ اس شمارہ میں شامل مواد حکمتِ بالغہ کی مجلسِ ادارت کی فکری خوبیوں کا حامل ہے۔ جناب مختار فاروقی اس عہد میں ادبی عدلِ فاروقی کے عَلَم بردار ہیں۔ وہ عرصۂ دراز سے اسلامی فکر وفلسفہ کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ افکارِ

اقبال کی نشر و اشاعت کا فریضہ بھی انجام دے رہے ہیں۔ .....انھوں نے جنوری 2007ء میں ماہنامہ حکمت بالغہ جاری کیا۔ علاوہ ازیں انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ کے صدر کی حیثیت سے انھوں نے تبلیغ دین کے لیے اپنی ذات کو وقف کر کے اپنے نام کو لامحدود کر لیا ہے۔ قرآن اکیڈمی کا قیام ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ وہ قرآن اکیڈمی کے زیر اہتمام مختلف اہم موضوعات پر تقریبات کا اہتمام کرتے رہتے ہیں۔ پاکستان بھر سے مختلف دانشوروں کا ایک مرکز پر آنا انجینئر مختار فاروقی کا کارنامہ ہے۔ 'حکمت بالغہ' میں فکر اقبال کی کرنیں نمایاں نظر آتی ہیں۔ اقبال کے فکر و فلسفہ کے مختلف پہلوؤں پر مضامین بہت بڑی اقبالیاتی خدمت ہے۔ .....سفر وسیلۂ ظفر ہے۔ مختار فاروقی نے بحیثیت سول انجینئر چترال تا کراچی، کوئٹہ سے کشمیر تک کے بہت سے علاقہ جات دیکھے اور دوبار حرمین شریفین کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا۔ 'تجربہ میرا اُستاد اور ٹھوکریں میری تعلیم' کے مصداق اُنھوں نے عوام الناس کے لاتعداد مسائل کا مشاہدہ کیا۔ سیاحت کا یہ تجربہ اُن کے تخلیقی شعور پر گہرے نقش چھوڑتا چلا گیا۔ وہ مطالعہ کا گہرا شغف رکھتے ہیں اس لیے سیر و سیاحت نے اُن کے لیے خزینۂ معلومات کا اہتمام بھی کر لیا۔ مختار فاروقی کو مختلف رسائل و جرائد میں طبع آزمائی کا شوق رہا۔ 'حکمت بالغہ' میں تحریر کردہ اداریے اُن کی فکری صلاحیتوں اور اسلوب کے آئینہ دار ہیں۔ احیائے فکرِ اقبالؒ، حکمت اقبال، نظریۂ پاکستان، اسلامی نظامِ حکومت، دوقومی نظریہ اور عشقِ رسول ﷺ، ایسے موضوعات پر مختار فاروقی کا قلم عقیدت سے رواں دواں رہتا ہے۔ مختار فاروقی فکرِ اقبالؒ کی روح سمجھتے ہیں۔ خدا، خودی اور کائنات، ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری کی اہم موضوعات ہیں۔ مختار صاحب 'حکمت بالغہ' کے ذریعے یہ پیغام عام کر رہے ہیں۔

نومبر 2018ء کا یہ شمارہ فکرِ اقبال کے گرد گھوم رہا ہے۔ اپنے مرکز سے دور ملتِ اسلامیہ کو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ یاد دلا رہا ہے۔ اس شمارہ کے فکری مضامین پیغامِ بیداری ہیں۔ اس شمارے کے بارے میں فاروقی صاحب حرفِ آرزو میں لکھتے ہیں: ''اس خصوصی شمارہ میں جن حالات کو پیش کیا گیا ہے وہ ایک عالمی حقیقت ہے۔ ایک ظالمانہ نظام ہے جو کرۂ ارضی کیا، اس کی فضاؤں کو بھی دور تک اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔ اس ابلیسی اور انسان دشمن نظام کا نظر آنے والے حصہ (TIP OF THE ICE BERG) عالمی سودی بینکنگ کا نظام اور ملٹی نیشنلز کی

اجارہ داری ہے۔ جب تک یہ بینکنگ کا نظام زمین بوس نہیں ہو جاتا اس وقت تک روئے ارضی پر بسنے والے انسانوں میں کسی خیر، خوبی، اللہ کی محبت، رضائے الٰہی کا حصول جیسے تصورات خواب کی طرح ہیں''۔ ..... جب کوئی قوم خوابِ خرگوش میں مدہوش ہو تو مختار فاروقی ایسے احباب کا غم غنیمت ہے جو اُمتِ محمدیہ (ﷺ) میں اتحاد، یقین، ایمان اور عملِ پیہم کا پیغام دیتے ہیں۔ میرے مرشد ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے فقر اور قناعت کے بل بوتے پر جو حرکی نظریۂ زیست دیا ہے، اُسی میں ہماری کامیابی ہے۔ قارئین کو اس بات کا علم ہوگا کہ اقبالؒ اپنی ضروریاتِ زندگی سے زیادہ عدالتی کیس نہیں لیا کرتے تھے۔ اُن کے خادمِ خصوصی علی بخش سے روایات ہیں کہ اقبالؒ 500 روپے کے مقدمات پورے ہونے پر آنے والے مقدمات کو اگلے ماہ کے لیے مؤخر کر دیا کرتے تھے۔ شانِ استغنا کی افادیت اور مناظر کلامِ اقبالؒ کا خاصا ہیں۔ اقبالؒ کے فارسی کلام کو اُردو سانچے میں پیش کرنے کا سلسلہ بہت قابلِ ستائش ہے۔ انجینئر مختار فاروقی کی یہ کاوش اقبالؒ شناسی کے سلسلہ میں بہت مفید ثابت ہوگی۔ علامہ اقبالؒ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کے طرزِ زندگی میں ڈھل جانے والی حکومت کو درویش حکومت قرار دیتے ہوئے خلفائے راشدینؓ کو اس کا رول ماڈل قرار دیا ہے۔ اُمید ہے کہ 'حکمتِ بالغہ' کے آئینہ میں پاکستان ایک دن اسلامی فلاحی ریاست کے طور پر دنیا کو متحیر کرے گا۔ مایوسی اور نا اُمیدی سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ صبر اور روشنی ایسی سواری ہے جو اپنے سوار کو گرنے نہیں دیتی۔ ہمیں استقلال کے ساتھ جناب مختار فاروقی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اُمتِ مسلمہ اور خصوصاً اہلِ پاکستان کو پیغامِ بیداری دیتے رہنا چاہیے۔

13 لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین، گوجرانوالہ

قرآن اکیڈمی جھنگ نے حکمت بالغہ کی اشاعت کے حوالے سے اپنی شاندار روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے نومبر 2018ء میں میگزین کا بارھواں خصوصی نمبر ''وسائل رزق پر قبضہ اور ارتکاز دولت کے شیطانی طریقے۔ بنی اسرائیل اور یاجوج ماجوج کا گٹھ جوڑ اور بچاؤ کا راستہ'' کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ اس خصوصی نمبر کے موضوع اور معیار کو دیکھتے ہوئے حکمت قرآنی کی تعلیم و تحقیق کے میدان میں حکمت بالغہ کی کامیابیوں (ACHIEVEMENTS) کا گراف مسلسل بلند سے بلند ہوتا جا رہا ہے اور تازہ خصوصی اشاعت نے تو بلاشبہ اس کم سن جریدے کے

نام کو معیار کے قابل رشک مقام پر پہنچا دیا ہے۔ ماشاءاللہ!

اس خصوصی اشاعت کے لیے عصر حاضر کے انتہائی اہم اور سلگتے ہوئے موضوع کا انتخاب کرنا اور پھر اس خشک، ثقیل اور بحر بے کراں کی طرح پھیلے ہوئے مضمون کی مانگ بھرنے کے مشن کی تکمیل کے لیے آٹھ ہزار سال پر محیط تاریخ انسانی کی پر پیچ گلیوں، گمنام وادیوں اور اندھیر نگریوں کی خاک چھان چھان کر علم و حکمت کے موتی تلاش کرنا، پھر ان نایاب جواہرات کو فن بلاغت کی نفاست اور نوکِ قلم کی مہارت سے منظوم و منظّم انداز میں ہدیۂ قارئین کرنا، بلاشبہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے، جس کے لیے یہ ادارہ واقعتاً دادِ تحسین کا مستحق ہے۔ اور قارئین! واضح رہے کہ اس ادارے کا اصل نام ہے: ''مختار حسین فاروقی''! چنانچہ یہ کارنامہ سرانجام دینے پر راقم محترم موصوف کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہے۔

حکمت بالغہ کی خصوصی اشاعت کا یہ شاہکار بنیادی طور پر دو حصوں میں مشتمل ہے۔ حصہ اوّل میں ''خلق خدا کیا کہتی ہے'' کے عنوان سے مختلف سکالرز کے مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ یہ تمام مضامین موضوع کے حوالے سے نہایت جامع اور قیمتی معلومات کے حامل ہیں۔ اس اشاعت کا دوسرا حصہ نو (9) ابواب یا نو تحقیقی مقالات پر مشتمل ہے۔ ان مقالات میں موضوع کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلاً روشنی ڈالی گئی ہے۔ آغاز میں ایک خاص ترتیب سے موضوع کو متعارف کرایا گیا ہے۔ پھر معاملے کی اہمیت، نزاکت اور حساسیت کو اُجاگر کرتے ہوئے انسانیت کے حق میں اس کے مہلک اثرات کا نقشہ دکھایا گیا ہے اور پھر آخر میں نسل انسانی کے خلاف طاغوتی طاقتوں کے اس گٹھ جوڑ کے توڑ کے لیے ٹھوس تجاویز بھی دی گئی ہیں۔ ان مقالات میں جا بجا ڈایاگرامز، نقشہ جات اور تصاویر کی مدد سے زیر مطالعہ موضوعات کی وضاحت کی گئی ہے جس کی وجہ سے ان مضامین کی افادیت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ راقم کے نزدیک اس سارے مضمون کا کلائمکس وہ بشارت ہے جس کا ذکر آخری مقالے یا آخری باب میں آیا ہے یعنی مستقبل میں اس کرۂ ارض پر عالمی اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کی بشارت! یہ بشارت چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمودات سے ماخوذ ہے۔ اس لیے ہمارا ایمان ہے کہ یہ من وعن پوری ہو کر رہے گی۔ اللہ کرے گردشِ لیل و نہار وہ وقت جلد ہمیں دکھائے اور فاروقی صاحب کے خواب کے عین مطابق پاکستان

اوراہل پاکستان کواس عالمی اسلامی فلاحی ریاست کے قیام واستحکام کے لیے کلیدی کردارادا کرنے کا موقع میسر آئے۔آمین

مذکورہ 9 مقالات یا مضامین بظاہر تو ''بے نامی'' ہیں یعنی کسی مصنف یا مؤلف کے نام سے منسوب نہیں بلکہ کسی خودرَو لالہ صحرائی کی طرح رنگ وخوشبو کی بہار دکھاتے نظر آتے ہیں لیکن ان شہ پاروں کی سطور کی چلمن کے پیچھے جس شخصیت کے سائے کی جھلک جھلملاتی محسوس ہوتی ہے حکمت بالغہ کے مستقل قارئین اس شخصیت کو خوب پہچانتے ہیں ___ اس ضمن میں عزت مآب جناب محترم فاروقی صاحب سے بصد ادب (بزبانِ غالبؔ) التماس ہے: ''بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک؟'' ___ کہ حضور! کب تلک آپ بے نامی تحریریں لکھ لکھ کر اپنے قارئین کے صبر کو آزماتے رہیں گے؟ جناب والا! قارئین پڑھنے سے پہلے اس کے رائیٹر کو جاننا چاہتے ہیں اور اسی نسبت سے وہ اپنے زیر مطالعہ تحریر کی گریڈنگ کرتے ہیں۔آخر آپ اپنے قارئین کو اس کے اس جائز اور ضروری استحقاق سے محروم رکھنے پر کیوں مصر ہیں؟ ___ اس سلسلے میں آپ کی بے نیازی و بے غرضی آپ کے لیے خدا کی دَین ہے اور یقیناً لائق ستائش بھی ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ دنیائے تحقیق و ادب کے بازار میں تو ہر پراڈکٹ (PRODUCT) کی ساکھ مینوفیکچرر (MANUFACTURER) کے نام کی مہر سے ہی معتبر بنتی ہے۔چنانچہ آپ سے دست بستہ گزارش ہے کہ آپ اپنے اور اپنے قارئین کے درمیان حائل بے نیازی اور کسر نفسی کی اس چلمن کو اٹھا پھینکیں اور حکمت بالغہ کے اُفق پر ہر ماہ مانند ماہتاب 'بے حجابانہ' جلوہ افروز ہونے کی روایت کا آغاز کریں اور اگر یہ بے ضرر اور معصوم کی درخواست منظور فرمانے میں بدستور کوئی پراسرار عذر مانع آرہا ہو تو اپنی ان بے نامی نگارشات کو کم از کم ''ادارے'' کے نام سے ہی منسوب فرما دیا کریں۔

آخر میں راقم کی دعا ہے کہ پیغام قرآن کی تبلیغ واشاعت کے حوالے سے اللہ تعالیٰ جناب مختار حسین فاروقی صاحب کی بے غرضانہ محنتوں اور کاوشوں کا انھیں بہترین صلہ عطا فرمائے! ان کے علمی، قلمی اور لسانی جہاد کے حوالے سے ان کے 'نقوش و آثار' کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔حکمت بالغہ پر ان کا گھنا اور ٹھنڈا سایہ تادیر قائم رکھے اور مجھ ناچیز سمیت ان کے تمام خوشہ چینوں کو تادیر ان سے فیض یاب ہوتے رہنے کا موقع نصیب فرمائے۔آمین!

فرمودۂ اقبال

خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل
اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل!

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیلؑ!

فریبِ خوردۂ منزل ہے کارواں ورنہ
زیادہ راحتِ منزل سے ہے نشاطِ رحیل!

نظر نہیں تو مرے حلقۂ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثالِ تیغِ اصیل!

مجھے وہ درسِ فرنگ آج یاد آتے ہیں
کہاں حضور کی لذت، کہاں حجابِ دلیل!

اندھیری شب ہے، جدا اپنے قافلے سے ہے تُو
ترے لیے ہے مرا شعلۂ نوا قندیل!

ان شاءاللہ

مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوُر

25 روزہ قرآن فہمی کورس کل وقتی

پھر سوئے حرم لے چل

جس میں ترجیحاً انٹرمیڈیٹ تعلیم کے حامل طلباء، کاروباری و ملازمت پیشہ اور بے روزگار حضرات شریک ہوسکتے ہیں تاکہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم سیکھ کر عملی زندگی میں باعمل مسلمان کی زندگی بسر کرسکیں۔

جون جولائی اگست 2019

اپنی فرصت کے مطابق بذریعہ فون یا ای میل نام رجسٹر کرائیں

معلومات کے لیے 20 روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر اس تربیتی کورس کا بروشر مفت حاصل کریں

یا

hikmatbaalgha@yahoo.com پر بروشر کے حصول کے لیے درخواست ای میل کریں

قرآن اکیڈمی

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ

047-7630861-63

0336-6778561

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر اُستوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر — علامہ اقبال

اِن شَآءَ اللّٰہ

کلامِ اقبال کی روشنی میں

قرآن آڈیٹوریم جھنگ

میں

21 اپریل 2019ء بروز اتوار صبح 10 بجے تا 1:00

علّامہ اقبال کا تصوّرِ خلافت

کے موضوع پر

یہ سیمینار 9 نومبر 2018ء کو نہیں منعقد ہو سکا تھا

سیمینار ہوگا

جس میں فکرِ اقبال کے حاملین دانشور، اہل علم
اور اہل قلم حضرات شرکت فرمائیں گے

شرکت کی دعوت عام ھے

خواتین کیلئے علیحدہ انتظام ھے

قرآن اکیڈمی جھنگ
لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ، جھنگ صدر
047-7630861-63 0336-6778561